تحریک پاکستان میں

مولانا نعیم الدین مراد آبادی

اور ان کے مشاہیر خلفاء کا حصہ

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

حماد احمد جاوید فاروقی پبلشرز

دربار مارکیٹ لاہور 0342-4584608

تحریک پاکستان میں
مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی
اور اُن کے مشاہیر خلفاء کا حصہ

تحریر و تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

حماد احمد جاوید فاروقی پبلشرز

دربار مارکیٹ لاہور 0342-4584608

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام: تحریک پاکستان میں مولانا نعیم الدین مرادآبادی
اوران کے مشاہیر خلفاء کا حصہ

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

ناشر: حماد احمد جاوید فاروقی پبلیشرز۔ دربار مارکیٹ لاہور

تعداد: 1000

صفات: 265

قیمت: 300/- --------

ملنے کے پتے

مسلم کتابوی، نیو القمر بک کارپوریشن، مکتبہ قادریہ، مکتبہ نبویہ، زاویہ پبلشرز، قادری رضوی کتب خانہ، مکتبہ حنفیہ، رضوان کتب خانہ، نوریہ رضویہ، دارالعلم، دارالنور، کرمانوالہ بک شاپ، فیض گنج بخش بک شاپ، علامہ فضل حق پبلشرز، گلزار نیازی دارالکتابت (شیخ ہندی سٹریٹ) مکتبہ خلیلیہ سعیدیہ۔ کتب خانہ امام احمد رضا۔ نظامیہ کتاب گھر، شبیر برادرز، نعیمی کُتب خانہ، علم وعرفان پبلشرز، دار الاسلام (جیلانی سینٹر)، کانٹی نینٹل پبلشرز اُردو بازار لاہور۔ مکتبہ اعلیٰ حضرت مکتبہ جمال کرم

انتساب

نگہبان مسلک اہل سنت نامور ادیب، خطیب، مترجم، محقق
بین الاقوامی شہرت کے حامل دینی صحافی ایڈیٹر جہانِ رضا۔
والد محترم
حضرت پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے نام

فہرست مشمولات

(باب سوم)

۱۹۲۵ء میں الجمعیۃ المرکزیہ کا قیام

(بابِ چہارم)

تحریک پاکستان کا پہلا تعمیری قدم اور دو قومی نظریہ

(بابِ پنجم)

صدر الافاضل کے لمحاتِ آخر

(بابِ ششم)

صدر الافاضل کے علمی آثار

پاکستان میں صدرالافاضل کی یاد میں قائم بعض تعلیمی وصحافتی ادارے

سُخنِ جمیل

مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ کا عکس تحریر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً

محررہ: یکم صفر المظفر ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء

سخن جمیل

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھودیئے
ڈھونڈا تھا آسمان نے جنہیں خاک چھان کر

اس خاک دان عالم میں تخلیق آدم سے تا ایں دم بے شمار لوگ آئے اور پیوند خاک ہو گئے، آج ان کا نہ کوئی نام ونشان باقی ہے نہ نام لیوا۔ لیکن اس کے برعکس اس صفحہ ہستی پر کچھ نفوس قدسیہ ایسی بھی ہیں جن کے نام اور کام کو گردشِ لیل ونہار نہ مٹا سکی۔ انہی پاک باز ہستیوں میں ایک ذات حضرت صدرالافاضل استاذ العلماء علامہ سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی قادری اشرفی رضوی علیہ الرحمہ کی بھی ہے، جنہیں مولائے کریم نے ذہانت وفطانت، علم وتقویٰ، تدبر وتفکر، دانش برہانی ودانش نورانی کی بے پناہ صلاحیتوں سے حصۂ وافر عطا فرما کر عالم اسلام کے لئے دین وسیاست کا مبلغ واسکالر بنایا تھا۔

احقر کی خواہش تھی کہ میرے دادا اُستاذ صدرالافاضل علیہ الرحمہ کے شایان شان کوئی سوانح حیات مرتب کی جائے، اگرچہ بعض کتابیں اور رسائل منظر عام پر آچکے ہیں، مگر زیر مطالعہ کتاب محترم پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری زیدہ مجدہٗ (رئیس کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی) نے حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمہ کے اُس اہم گوشہ جس کا تعلق تحریک پاکستان اوران کے خلفاء کے کردار سے ہے، تحقیق ومرتب فرما کر دبستانِ نعیمیہ سے وابستہ حضرات پر احسان عظیم فرمایا اور میرے خیالات کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل موصوف کے علم وعمل

میں برکت عطا فرماتے ہوئے حاسدوں سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین

اس وقت اہل قلم وقرطاس کی ذمہ داری ہے کہ وہ نظریہ پاکستان اور اس سے وابستہ اپنے اکابر کے کارناموں سے نئی نسل کو روشناس کرائیں او. انہی احساسات وجذبات کو پیش نظر رکھیں، جس کا تذکرہ محقق موصوف محترم پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری نے فرمایا ہے۔

احقر سمجھتا ہے کہ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ، ان کے تلامذہ اور خلفاء پر موصوف نے یہ کتاب تحریر کر کے آنے والوں کو گائیڈ لائن دی ہے کہ اگر اہل علم و دانش اسی طرح سہل پسندی اور غفلت و کوتاہی میں مصروف رہے تو یہ بات کہی جاتی رہے گی کہ:

نیرنگیٔ سیاست دوراں تو دیکھئے

منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں محقق موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

جمیل احمد نعیمی عفی عنہ

مورخہ: یکم رجنوری ۲۰۰۷ء

ناظمِ تعلیمات واستاذِ حدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی

حرفِ نوری

اسلاف کے زریں کارناموں کو منظر عام پر لانے کی کوشش، کسی بھی قوم کی زندگی کی علامت سمجھی جاتی ہے، اس سے قوت عمل میں اضافہ ہوتا ہے اور منجمد حلقوں میں تحریکِ کی برقی رو دوڑتی ہے۔ برصغیر کے تناظر میں ہمارے اسلاف کے تراجم وسوانح میں بہت سی کتابیں بالخصوص سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی (التوفی ۱۰۵۲ھ) کی تالیف ''اخبار الاخیار''، محمد علی غوثی کی گلزار ابرار، علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی (التوفی ۱۲۰۰ھ) کی ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' (بزبان عربی) اور مآثر الکرام ''بزبان فارسی'' مولوی عبدالشکور رحمان علی (التوفی ۱۳۲۵ھ) کی ''تذکرہ علماء ہند''، مولوی فقیر محمد جہلمی (التوفی ۱۳۳۴ھ) کی ''حدائق الحنفیہ''، شہزادہ داراشکوہ کی ''سفینۃ الاولیاء''، مفتی غلام سرور کی ''خزینۃ الاصفیاء''، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی ''ابجد العلوم''، اعلام النبلاء اور نظامی بدایونی کی ''قاموس المشاہیر''، مولانا حکیم عبدالحئی لکھنوی کی ''نزھۃ الخواطر''۔

اور مکتبۂ دیوبند سے تعلق رکھنے والے اہل قلم حضرات کی، علماء ہند کا شاندار ماضی، علماء حق، تذکرہ مشائخ دیوبند، چند عظیم شخصیات، پُرانے چراغ، حیات حسین احمد مدنی، حیات زکریا، سوانح قاسمی، چالیس بڑے مسلمان، وغیرہ نامی کتابیں شائع ہوئیں، اسی طرح غیر مقلد علماء کے احوال میں ابویحییٰ خان نوشہروی کی ''تراجم علماء حدیث ہند'' کو بھی پڑھا گیا۔

طبقہ سوم کے مولفین سیر وتراجم نے علماء اہلسنّت ومشائخ کے علمی فضل و کمال اور ذاتی اوصاف ومحاسن کو بے توقیر کرنے کی ناکام کوشش کی اور ان کے خلاف طرح طرح کے الزامات تراشے گئے، یہاں تک کہ برصغیر کے معروف مورخ وادیب اور داعی اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی (۱) کا رویہ بھی یہاں آکر غیر معتدل ہوگیا اور موصوف اپنے والد کے برخلاف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے لئے ''نزھۃ الخواطر'' کے حاشیے میں شدید المعارضۃ، شدید الاعجاب بنفسہ وعلمہ، قلیل البضاعۃ فی الحدیث والتفسیر، متوسعاً و[illegible] فی الشعر، جیسے رکیک جملے استعمال کیے۔ ۱۹۸۰ء میں لاہور کے ایک غیر مقلد عالم ''احسان الٰہی ظہیر'' نے بھی بے بنیاد اور من گھڑت روایات پر مشتمل ''البریلویہ'' نامی کتاب لکھ کر اپنے نامہ اعمال میں اور اضافہ کیا۔

افسوس ہے کہ عرصہ سے یک طرفہ قلمی جارحانہ حملوں کے باوجود ہم اپنے علماء ومشائخ کی فکری ونظریاتی حمایت ودفاع میں کوئی قابل ذکر اور بھرپور تحریری کام نہ کرسکے۔ البتہ ہندوستان بہار کے مولانا محمود احمد قادری (ابن علامہ المفتی الحاج رفاقت حسین الامجدی الرضوی القادریؒ مفتی اعظم کانپور) نے ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں تذکرہ علماء اہلسنّت، اور لاہور پاکستان کے معروف عالم دین علامہ شرف القادری

---

(۱) آپ سے ۱۹۸۰ء میں جامعۃ امام محمد بن مسعود یونیورسٹی ریاض میں ملاقات ہوئی تھی جب آپ ''ہفتۂ محمد بن عبدالوہاب'' کی تقریب میں شرکت کے لیے ہندوستان سے تشریف لائے تھے۔ آپ کے ہمراہ مولانا رابع ندوی بھی تھے۔ موصوف نے ایک سوال کے جواب میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کی علمی دینی فقہی خدمات کا اعتراف بھی کیا تھا لیکن نزھۃ الخواطر جلد ۸ کے حاشیہ میں مندرج عبارات کے بارے میں گول مول جواب دے کر خاموش ہوگئے۔ (نوری غفرلہ)

البرکاتی نے ''تذکرہ اکابر اہلسنت''، صاحبزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے لاہور نے ''تذکرہ علماء اہلسنت لاہور''، علامہ محمد صدیق ہزاروی نے لاہور سے ''تعارفِ علماء اہلسنت'' اور ۱۹۹۹ء میں محترم صادق قصوری نے ''تحریک پاکستان اور علماء کرام'' جیسی گراں قدر کتابیں شائع کر کے اہلسنت کے مٹتے ہوئے نقوش کا بھرپور احساس دلایا اور ہمیں بتایا کہ تحریک آزادی محض ایک وقتی اور ہنگامی جذبہ نہ تھا بلکہ اسلامی حکومت کے قیام کیلئے ایک منظم پروگرام کا آغاز تھا جو آگے چل کر پاکستان کا روپ دھارا۔

اور تحریک پاکستان کی اصل بنیاد فاتح سندھ محمد بن قاسم الاموی الثقفی اور ان کے بعد ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق خیر آبادیؒ، مفتی عنایت احمد کاکورویؒ، مولانا فیض احمد بدایونیؒ، مولانا امام بخش صہبائیؒ، مولانا کافی مراد آبادی شہیدؒ، سید احمد اللہ شاہ مدراسیؒ، مولانا رضی الدین بدایونیؒ، مولانا رضا علی خان بریلویؒ، مولانا نقی علی خان بریلویؒ جیسے مجاہدین آزادی اپنا خون جگر دے کر پھانسی کے تختوں پر چڑھ کر اور کالے پانی کی تکالیف برداشت کر کے، رکھ چکے تھے۔ (۱)

برصغیر میں انگریزی سامراج کی بنیادیں ہلانے والوں اور اسلامی حکومت کے اولین معماروں کو تو پس پشت ڈال دیا گیا اور ان کے مقابلے میں شاہ اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی اور دیگر لوگوں کو برصغیر کی مذہبی و ملی تحریکات کا ہیرو بنانے کی کوششیں تیز تر کر دی گئیں۔ شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کی تحریک پر

(۱) اکابر تحریکِ پاکستان، ص ۸، مولفہ مولانا محمد صادق قصوری

تبصرہ کرنا ہمارے موضوع سے متعلق نہیں، البتہ اس تحریک کے بارے میں مولانا حسین احمد مدنی کا یہ غور طلب تجزیہ پیشِ خدمت ہے۔ آپ لکھتے ہیں

''سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو مسلمان دونوں پریشان تھے اس بناء پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور صاف صاف انھیں بتادیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے، اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی؟ اس سے آپ کو غرض نہیں، جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان یا دونوں حکومت کریں گے''۔ (۱)

اس کے ساتھ ہی مولانا عبید اللہ سندھی کی یہ عینی شہادت بھی ملاحظہ فرمایئے:

''ایک دفعہ میں سرحد پار ''بیز'' کے مقام پر گیا...... میں اس امید میں کہ شاید سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی جماعت مجاہدین میں زندگی کی کوئی کرن دکھائی دے ادھر چل دیا۔ وہاں پہنچ کر جو کچھ میں نے دیکھا وہ حد درجہ افسوسناک تھا اور قابل رحم تھا، وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ جماعت جو مجاہدین کے نام نامی سے یاد کی جاتی ہے صاحبزادہ عبدالقیوم خاں کی وساطت سے انگریزی حکومت کی رہینِ منت ہے''۔ (۲)

---

(۱) نقش حیات، ج ۲ ص ۱۳۔

(۲) افادات وملفوظات مولانا عبید الرحمٰن سندھی، از محمد سرور، ص ۳۶۲

دیکھا آپ نے؟ پورا برصغیر فرنگی اقتدار کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ ہلال و صلیب کے حرب بے صرف ملک گیری ہی تک محدود نہیں رہے تھے بلکہ اسلام او پیغمبرِ اسلام کی گستاخیوں سے بڑھ کر مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے استعمال ہو رہے تھے۔ اہلسنّت کے علماء پر قیامت گزر گئی۔ قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نغمات الاپنے والے پھانسی کے پھندوں، جیل کی کوٹھڑیوں، اور کالے پانی کو آباد کیے ہوئے تھے، مگر مجاہد فی سبیل اللہ اور شہید اسلام اس سارے معرکے کو غیر اہم سمجھتے ہوئے فرنگی اقتدار کے قابو میں نہ آنے والے آزاد قبائل کے ساتھ رفع یدین اور نکاح بیوگان کے مسئلے پر جہاد کر رہے ہیں یا پھر ایک غیر سیاسی قوت سکھوں کے ساتھ لڑائی کا فریضہ انجام دے رہی ہے؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

قیام پاکستان کے اسباب:

بلاشبہ آزادی کی تحریک ہندو مسلم سے اکٹھے شروع ہوئی، مگر جلد ہی ہندو طرزِ عمل نے ثابت کر دیا کہ یہ محض اقتدار کی تبدیلی ہوگی اور ہندو اقتدار کہیں زیادہ خطرناک اور تباہ کن ثابت ہوگا اس لیے درد مند مسلمانوں نے جلد ہی اس حقیقت کو محسوس کر لیا کہ مسلمان اپنے مذہب کی بناء پر ایک الگ قوم ہیں اور وہ اپنے دین کے مطابق اسی صورت میں زندگی بسر کر سکتے ہیں جب ان کی آزاد مملکت ہو جس میں وہ قانونِ الٰہی نافذ کر سکیں گے مسلمانوں کے دل میں۔ یہ خیال کیوں پیدا ہوا؟ اس کے

محرکات جاننے کے لیے ذیل کے حوالہ جات ملاحظہ کیجیے:

ڈاکٹر رادھامکر جی نائب صدر ہندومہا سبھا و صدر کانگریس بنگال نے کہا تھا:

''ہندوستان کو نظریہ اور عمل کے لحاظ سے ایک ہندو اسٹیٹ ہونا چاہیے، جس کا کلچر ہندو ہو، جس کا مذہب ہندو ہو اور جس کی حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہو''۔(۱)

کانگریس کے جنرل سیکریٹری اچاریہ کرپلانی نے بھی اگست ۱۹۳۹ء میں اپنے ایک بیان میں کہا تھا:

''گاندھی جی نے کانگریس کو بتایا کہ ہمارا کام صرف یہ نہیں کہ ملک کی سیاسی باگ ڈور انگریز کے ہاتھ سے چھین کر اہلِ ملک کے ہاتھ میں دے دیں، بلکہ یہ سب سے ضروری چیز ہے کہ ہم اپنی تمام جدوجہد کی بنیاد کسی ایسے فلسفہ حیات پر رکھیں، جس کے دائرے میں ہماری معاشرت، اخلاق اور روحانیت سب کچھ داخل ہوا''۔(۲)

اس کے اعلان کے بعد مہاتما گاندھی نے ۱۵ر دسمبر ۱۹۴۴ء کو قائداعظم کے نام ایک خط میں لکھا:

''میں تاریخ میں اس کی مثال نہیں پاتا کہ کچھ لوگ جنھوں نے اپنے آباء واجداد کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب قبول کرلیا ہو، وہ اور ان کی اولاد یہ دعویٰ کرے

---

(۱) نقش حیات، ج ۲ ص ۱۳۔

(۲) افادات وملفوظات مولانا عبیدالرحمٰن سندھی، از محمد سرور، ص ۳۶۲

کہ وہ اپنے آباء و اجداد سے الگ ایک قوم بن گئے ہیں۔ اگر ہندوستان اسلام کی آمد سے پہلے ایک قوم تھا تو اسلام کے بعد بھی اسے ایک قوم رہنا چاہیئے خواہ اس کے سپوتوں سے ایک کثیر تعداد نے اسلام قبول کر لیا ہو"۔(۱)

"گئور رکھشا" کے بارے میں انھوں نے ۱۹۱۸ء میں کہا تھا:

"یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یورپین کے لیے گاؤ کشی جاری رکھنے کی بابت ہندو کچھ بھی محسوس نہیں کرتے۔ میں جانتا ہوں کہ ان کا غصہ اس خوف کے نیچے دب رہا ہے جو انگریز عملداری نے پیدا کر دیا ہے۔ مگر ایک ہندو بھی ہندوستان کے طول و عرض میں ایسا نہیں جو اپنی سرزمین کو گاؤ کشی سے آزاد کرانے کی امید نہ رکھتا ہو، ہندو مت عیسائی یا مسلمان کو تلوار کے زور سے بھی مجبور کرنے سے تامل نہیں کرے گا کہ وہ گاؤ کشی بند کر دیں"۔(۲)

دوسرے مقام پر گاندھی جی یوں گویا ہوتے ہیں:

"میں اپنے آپ کو سناتنی ہندو کہتا ہوں کیوں کہ میں ویدوں، اپنشدوں، پرانوں اور ہندوؤں کی تمام مذہبی کتابوں کو مانتا ہوں، اوتاروں کا قائل ہوں اور تناسخ کے عقیدہ پر یقین رکھتا ہوں، میں گئور کھشا کو اپنے مذہب کا جزو سمجھتا ہوں اور بت پرستی سے انکار نہیں کرتا، میرے جسم کا رواں رواں ہندو ہے"۔(۳)

---

(۱) طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۹ء (۲) ایضاً

(۳) ینگ انڈیا ۳۱/۱۰/۱۲، بحوالہ طلوع اسلام مارچ ۱۹۶۹ء

ہندو دھرم کی یہی وہ قدیم منافقانہ پالیسی تھی جس سے متاثر ہو کر علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

نمی گوید بہ کس اسرارِ خود را نگہ وارد برہمن کارِ ود را
بدوشِ خود برز زنارِ خود را بہ من گوید کہ از تسبیح بگذر

یہ وہ حالات تھے جنھیں دیکھ کر حساس مسلمانوں کے دل کانپ اٹھے اور انھوں نے بروقت متنبہ کیا کہ ہندو اپنی عیاری اور دورخی پالیسی کے لحاظ سے انگریز سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں۔ ہندو لیڈروں کے ایسے ایسے زہر آلود اعلانات کے جواب میں برصغیر سوادِ اعظم کے عظیم مفکر مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی ذات تھی جنہوں نے امت اسلامیہ کو بروقت خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

"تم نے دیکھا یہ حالت ہے ان لیڈر بننے والوں کے دین کی، کیا کیا شریعت کو مسلتے، بدلتے، پاؤں کے نیچے کچلتے اور خیر خواہِ اسلام بن کر مسلمانوں کو چھلتے ہیں، موالاۃِ مشرکین ایک، معاہدۂ مشرکین دو، استعانت بمشرکین تین، مسجد میں اعلائے مشرکین چار، ان سب میں بلا مبالغہ یقیناً قطعاً لیڈروں نے خنزیر کو دنبے کی کھال پہنا کر حلال کیا ہے"۔(۱)

ہندو ذہنیت کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد ہی فاضل بریلوی نے ترکِ

(۱) المحجۃ المؤتمنہ، ص ۸۶۔۸۷

موالات کا وہ مشہورِ فتویٰ لکھا تھا، جسے سہارا بنا کر یار لوگوں نے آپ کو بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ حالانکہ علی برادران یعنی مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی جس وقت فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اپنی تحریک میں شمولیت کی دعوت دی تھی تو اس وقت اعلیٰ حضرت نے صاف صاف فرمایا دیا تھا کہ:

''مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں میں مخالف ہوں''۔ پھر فرمایا ''مولانا! میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں، ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں''۔(۱)

یہ المیہ ہے کہ کانگریسی علماء کی ذہنیت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ جس نے انھیں ہندوؤں کے چرنوں میں سجدہ ریزی سے روکا، انھوں نے اپنے بیگانے کی تمیز کیئے بغیر فوراً اس پر انگریز دوستی اور وطن دشمنی کا فتویٰ دے دیا۔ فاضل بریلوی اور تمام مسلم لیگی زعما تو مجرم تھے ہی، اتفاق سے پورے دیو بند میں صرف ایک عالم مولانا اشرف علی تھانوی نے اس سے اختلاف کیا تو ان کو جو صلواتیں سننا پڑیں ان کی ایک جھلک آپ بھی پڑھ لیجئے۔

پروفیسر محمد سرور کا بیان ہے:

''مولانا سندھی، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے علم وفضل اور ارشاد و سلوک میں انہیں جو بلند مقام حاصل تھا اس کے تو قائل تھے ہی لیکن تحریکِ آزادی ہند کے بارے میں انکی جو معاندانہ اور انگریزی حکومت

---

(۱) فاضل بریلوی اور ترک موالات، ص ۴۵۔ پروفیسر محمد مسعود احمد

کے حق میں مؤیدانہ روش رہی اس سے وہ بہت خفا تھے"۔(۱)

پاکستان اور علمائے دیوبند:

دوقومی نظریئے کی کہانی بہت پرانی ہے۔ برصغیر کے اکثر مسلمان مفکرین مسلمانوں کے علیحدہ ملّی تشخص اور سرزمینِ حجاز سے اس کی وابستگی پر ہمیشہ زور دیتے رہے ہیں۔ مجددِ الفِ ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۲) اور مولانا احمد رضا خان بریلوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) (۳) نے پورے شدومدّ سے اس کی وضاحت کی ہے۔ افسوس مکتبِ دیوبند کی اکثریت نے برصغیر میں اسلامی ریاست کی امکانی حدتک مخالفت کر کے تحریکِ آزادی کے سلسلے میں بھی اپنے تھوڑے بہت کام پر لکیر پھیر کر رکھ دی۔ کیا وقت کا بیدار مؤرخ یہ لکھنے میں حق بجانب نہ ہوگا کہ علمائے دیوبند کا یہ گروہ مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے مقابلے میں گاندھی جی کی میکیاوَلی سیاست پر زیادہ یقین رکھتا تھا، اور اس نے مسلمانوں کے انحطاط اور زوال کے دور میں سات کروڑ مسلم عوام کے مقابلے میں اپنا سارا وزن ہندوؤں کے پلڑے میں رکھ دیا تھا؟ اور ان کے پیشِ نظر برِصغیر میں اسلامی حکومت کا قیام کبھی بھی نہیں رہا تھا بلکہ وہ ہمیشہ جمہوری انداز کی سیکولر حکومت کے لئے کوشاں رہے تھے۔

یہ ایک حقیقی واقعہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی ہو یا قیامِ پاکستان کی

(۱) افادات وملفوظات، مولانا عبید اللہ سندھی۔ص ۳۸۲

(۲) تذکرہ شاہ ولی اللہ، مناظر احسن گیلانی

(۳) فاضل بریلوی اور ترک موالات۔ پروفیسر محمد مسعود احمد

جدوجہد یہ انہیں لوگوں کی رہینِ منت اور شرمندۂ احسان ہے، جنہیں آج بھی بدعتی، قبر پجُوے، میلادخواں اور کئی انواع کے طعنے دیئے جاتے ہیں۔ کیا پاکستان کی کوئی تاریخ ''بنارس سنی کانفرنس ۱۹۴۶ء'' کے فقید المثال اجتماع کا ذکر کئے بغیر مکمل ہوسکتی ہے؟ صدرالافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین محدث، مفسر، فقیہہ، اور مفتی مرادآباد، ابوالمحامد سید محمد شاہ محدث کچھوچھوی، خواجہ قمرالدین سیالوی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھیؒ، مولانا حامد رضا خانؒ بریلوی، مولانا مصطفیٰ رضاؒ خان بریلوی، مفتی مظہرؒ اللہ دہلوی، علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمیؒ، خواجہ عبدالرحمٰن بھرچونڈی سندھی، پیر سید جماعت علیؒ شاہ محدث علی پوری، مولانا عبدالحامد بدایونیؒ، مولانا پیر سید مغفور القادریؒ، مولانا ابوالحسنات قادری، علامہ عبدالغفور ہزارویؒ، پیر صاحب مانکی شریفؒ، پیر صاحب گولڑہ شریفؒ، مولانا عبدالستار خاں نیازیؒ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور لاکھوں انسانوں کے مقتدا کون ہیں؟ وہی تو ہیں تھے جو فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان بریلوی کے تلامذہ خلفاء اوران کے ہم مسلک تھے، آج ان پر کیچڑ اچھالنے والے ذرا جائزہ تو لیں کہ پورے مکتب دیوبند میں مولانا شبیر احمد عثمانی یا مولانا اشرف علی تھانوی کے محدود حلقے کے دوچار آدمیوں کے سوا باقی سارے علماء عملی طور پر کہاں کھڑے تھے؟ مسلم لیگ کے حلقے میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی پذیرائی کی یہ شان صرف اس لئے بنی کہ وہ اپنے سارے قافلے سے تنہا کٹ کر ادھر آئے تھے، دیوبند کے علماء وطلباء نے انہیں اس کی جو سزا دی وہ خود انہیں کی زبانی سنئے:

''دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے جن میں ہم کو ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا

گیا، آپ حضرات نے اس کا کوئی تدارک کیا تھا؟ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت دارالعلوم کے تمام مدرسین، مہتمم اور مفتی سمیت بالواسطہ مجھ سے تلمذ رکھتے ہیں"۔(۱)

مکتب دیوبند کے نامور عالم مولانا محمود حسن کو کون نہیں جانتا، آج اسیر مالٹا اور تحریکِ آزادی کے مجاہدین میں انہیں سرِ فہرست شمار کیا جاتا ہے۔ برِ صغیر سے انگریزی اقتدار کے خاتمے کا جو پروگرام آپ نے مرتب فرمایا اس میں کسی اسلامی حکومت کے تصور کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے واضح طور پر ایک دینی (سیکولر) حکومت کا نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی کو آپ ہی نے کابل بھیجا، وہاں آپ کے حکم اور مشورے سے۔۔۔ "موقتہ ہند" کے نام سے ایک متوازی حکومت بنائی گئی تھی لیکن آپ حیران ہوں گے کہ اس حکومت کے لائف پریذیڈنٹ (Life President) معروف متعصب سکھ لیڈر راجہ مہندر پرتاپ مقرر ہوئے (۲) جبکہ مولانا عبیداللہ سندھی اس کے وزیرِ خارجہ تھے۔ اس سے آپ بخوبی اس حکومت کا نقشہ سمجھ سکتے ہیں جو ان حضرات کے ذہنوں میں موجود تھا۔ مزید اطمینان کے لیے مولانا سندھی اور راجہ صاحب کے رفیقِ کار ظفر حسن صاحب کا یہ تبصرہ ملاحظہ فرمائیے اور ٹھنڈے دل سے غور کیجئے کہ یہ حضرات مسلمانوں کو کہاں لے جارہے تھے؟۔

ظفر حسن ایبک لکھتے ہیں:

"راجہ مہندر پرتاپ ہندوستان کے آزاد ہونے پر وہاں ایک ہندو حکومت

---

(۱) مکالمہ الصدرین، طبع ہاشمی بک ڈپو لاہور، ص ۳۲-۳۳

(۲) آپ بیتی ظفر حسن ایبک، طبع منصور بک ہاؤس لاہور۔ ص ۱۰۰

قائم کرنا چاہتے تھے"۔(۱)

خدا لگتی کہئے کیا یہ تجزیہ اس سے کچھ مختلف ہے جو مسلم لیگی زعماء نے کانگریس کے بارے میں کیا تھا؟

مولانا عبید اللہ سندھی نے کابل سے آزادی ہند کے بعد حکومت کا جو نقشہ پیش کیا اس کی یہ شق دیدنی ہے (یہ بات پیشِ نظر رہے کہ مولانا سندھی شیخ الہند کے معتمد خصوصی، ان کے فرستادہ اور انہی کے مشن کی تکمیل کے لئے کابل گئے تھے) مولانا سندھی نے "جمنا نربدا سندھ ساگر پارٹی" کانگریسی سوراجیہ کمیٹی کابل، مہا بھارت سوراجیہ پارٹی اور حکومتِ موقتہ ہند کے ذمہ دار رکن کی حیثیت سے ہر جگہ ایک ہی جملہ دہرایا ہے۔ فرماتے ہیں:

"مرکزی حکومتِ ہند (Central Govt. of the Federal Republic of India) کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور نہ اس کو ان مذاہب میں دخل دینے کا حق حاصل ہوگا جو پارٹی کے مندرجہ بالا اقتصادی اور اجتماعی اصولوں کو مانتے ہیں"۔(۲)

اس کے مقابلے میں علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد میں مسلم لیگ کی صدارت کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا:

---

(۱) آپ بیتی ظفر حسن ایبک، طبع منصور بک ہاؤس لاہور۔ ص ۹۷

(۲) پمفلٹ ..... سندھ گر پارٹی۔ شائع کردہ بیتا الحکمت دہلی، مولانا سندھی۔ ص ۵۰ ۷

''ہندوستان دنیا بھر میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ اس ملک میں اسلام بہ حیثیت ایک تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک علاقہ میں مرکوز کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام خدا اور بندے کے درمیان ایک روحانی تعلق کا نام نہیں یہ ایک نظام حکومت ہے.......... اس لیے میری آرزو ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد اسلامی ریاست قائم کی جائے''۔(۱)

ہر دو نقطہ ہائے نظر آپ کے سامنے ہیں خود ہی فیصلہ کیجیے کہ ان میں سے کونسا اسلام اور مسلمانوں سے زیادہ قریب ہے؟ کانگریس کے نزدیک ہندوستان میں بسنے والے تمام مسلم اور غیر مسلم ایک متحدہ قومیت کے افراد تھے۔ یہی وہ فسوں ہے جس کا شکار مولٰینا محمود حسن سے لے کر مولانا حسین احمد اور مولانا ابوالکلام تک سب لوگ ہوئے۔ مولانا حسین احمد نے دہلی میں ۱۹۳۸ء میں یہ کہا تھا کہ:

''قومیں اوطان سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں''۔

مولانا کے اس نظریے پر برصغیر کا پورا مذہبی طبقہ چونک اٹھا تھا۔ علامہ اقبال اس وقت بسترِ مرگ پر تھے۔ اس نظریے پر فوراً یوں تنقید فرمائی:

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ	ز دیوبند حسین احمد این چہ بوالعجبی ست
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است	چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی ست
بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست	اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست (۲)

(۱) مولانا عبید اللہ سندھی۔ پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکادمی۔ ص ۴۵۸ (۲) ارمغان حجاز، ص ۲۷۸

علامہ اقبال کی زندگی میں مولانا حسین احمد مدنی خاموش رہے، جونہی حضرتِ علامہ اللہ کو پیارے ہوئے انہوں نے ''اسلام اور متحدہ قومیت'' کے نام سے پھر ایک رسالہ لکھ ڈالا اور اس میں تحدّی سے کہا کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ ٹھیک تھا، علامہ اقبال غلط تھے۔ چنانچہ مسٹر غلام احمد پرویز نے بروقت اس رسالے کا تعاقب کیا اور غلط و صحیح کو الگ الگ کر دکھایا۔ پرویز صاحب نے مولانا حسین احمد کو متنبہ کیا کہ اگرچہ علامہ مرحوم ہماری بزم سے اٹھ گئے ہیں، تاہم ان کے ہم خیال اور اسلامی قومیت کے علمبردار ابھی محاسبہ کرنے کے لئے موجود ہیں مولانا عبید اللہ سندھی آخر دم تک اپنا یہ نظریہ ان الفاظ میں دہراتے رہے، جس کے راوی آج بھی موجود ہیں:

''میں سندھی پہلے ہوں اور مسلمان بعد میں۔''

مولانا ابوالکلام آزاد نے لاہور میں فرمایا:

''مسٹر جناح کا یہ نظریہ کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو جداگانہ قومیں ہیں، غلط فہمی پر مبنی ہے، میں اس باب میں ان سے متفق نہیں''۔(۱)

ایک اور مقام پر آپ نے فرمایا:

''ہماری ایک ہزار سال کی مشترک زندگی نے ایک متحدہ قومیت کا سانچہ ڈھال دیا ہے، ایسے سانچے بنائے نہیں جاسکتے، وہ قدرت کے مخفی ہاتھوں سے خود بخود بنا کرتے ہیں اور قسمت کی مُہر اس پر لگ چکی ہے، ہم پسند

(۱) Statesman dated:19-2-40 بحوالہ طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۷۲ء، روزنامہ نوائے وقت ۲۸، دسمبر ۱۹۷۵

کریں یا نہ کریں مگر اب ہم ایک ہندوستانی قوم اور نا قابلِ تقسیم ہندوستانی قوم بن چکے ہیں، علیحدگی کا کوئی بناوٹی تخیل ہمارے اس ایک ہونے کو دو نہیں بنا سکتا۔"

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں، میں ہندوستان کی نا قابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں۔"

ان کے علاوہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری وغیرہم نے پاکستان کی مخالفت میں جو کردار انجام دیا وہ نظریات کی اسی یکسانیت کا آئینہ دار تو ہے جس کی طرف ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں۔

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مکتب علماء ومشائخ کا یہی وہ باا ثر گروہ ہے جس نے جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی، انصار الاسلام، بریلی دار العلوم منظر اسلام بریلی، مدرسہ نعیمیہ مرادآباد، مدرسہ قادریہ بدایوں، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ، اور خانقاہ کچھوچھہ، انجمن خدام الصوفیہ، علی پور سیدان، خانقاہ تونسہ، خانقاہ سیال شریف اور مدرسہ حزب الاحناف لاہور تھے، جنھوں نے دامے درمے، قدمے سخنے پاکستان کے لیے کام کیا، علماء ومشائخ نے لاکھوں روپے چندے دیئے، دن رات کا آرام حرام کیا، برصغیر کے کونے کونے میں پہنچ کر رائے عامہ کو ہموار کیا، ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں۔

پورے ہندوستان میں اجمیر، بنگال، بہار کے مولانا سید محمد الجیلانی کچھوچھوی

اور دیگر علماءِ اہلسنّت سرحد میں پیر مانکی شریف، پنجاب میں پیر جماعت علی شاہ علی پوری اور سندھ میں پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی اور شاہ مغفور القادری نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، اُسے مسلمانوں کی مذہبی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ یہ قدآور شخصیتیں اور بلند ہستیاں اسی لیے طاقِ نسیاں کی نذر کی جارہی ہیں کہ قلم اور ذرائع ابلاغ غیروں کے ہاتھ میں ہیں۔

آج کا مورخ اور قاری دونوں ہی بیدار ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ فکر ونظر اور اعتقادیات کے اختلافات سدا ہوتے آئے ہیں، انھیں وجہ بنا کر تاریخی بددیانتی صرف وہی لوگ کرتے ہیں جنھیں قلم کی عظمت اور عصمت کا کوئی احساس تک نہیں ہوتا۔

ان سطور بالا کے ساتھ ہی سوادِ اعظم (اہلسنّت و جماعت) کے پڑھے لکھے حضرات سے دردمندانہ اپیل بھی ہے کہ اگر مردنی اور بے حسی نے پوری طرح ان پر قابو نہیں پالیا ہے تو وہ آگے بڑھیں اور ۱۸۵۷ء سے لے کر قیام پاکستان کی تاریخ تک اپنے اسلاف کے قابل فخر اور زریں کارناموں سے نئی نسل کو روشناس کرائیں، اگر انھوں نے اس فرض کی ادائیگی میں غفلت برتی تو وہ وقت دور نہیں جب پاکستان کے نعرے کو ایک وقتی ہنگامی جذبہ اور اس کے لیے قربانیاں پیش کرنے والے علماء ومشائخ کو انگریز دوستی کا لباس پہنا دیا جائے گا جیسا کہ گزشتہ سالوں سے یہ عمل جاری ہے۔

پاکستان کے حقیقی خیر خواہ وہی لوگ ہوسکتے ہیں جنھوں نے اپنے ہاتھوں سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے، آج جب کہ پاکستان کی نظریاتی سرحدیں خطرے میں ہیں، حسب عادت چاروں طرف سے قومیت ووطنیت ولسانیت کا عفریت پھنکار

رہا ہے، ضرورت ہے کہ سوادِ اعظم اہلسنّت و جماعت کے ان عظیم رہنماؤں کے حالات، واقعات، خدمات سے ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کو بتلایا جائے جنھوں نے باطل کے سرکش طوفانوں کے باوجود ناسازگار حالات میں بھی شمع اسلام کو روشن ہی رکھا۔ انہی عظیم اور جلیل القدر رہنماؤں میں محدث مرادآباد حضرت صدر الافاضل بدر الاماثل استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (خلیفہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی) اور ان کے تلامذہ وخلفاء تھے، جنھوں نے پاک و ہند کے متعدد دینی وسیاسی، سماجی وفلاحی، تحاریکِ میں شامل ہو کر ہمیشہ پرچم اسلام کو بلند رکھا۔ اور بلاخوف وخطر باطل کی طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر رہے۔ آپ کے کارنامے اور خدمات ہر دور میں ہمیں دعوتِ فکر وعمل دیتے رہیں گے اور استقامت واستقلال کا سبق بھی یاد دلاتے رہیں گے، اور آپ کی یاد سے تا بدیر ہمارے دلوں کو عزم وہمت اور بلند حوصلگی ملتی رہے گی۔

اب میں انہی الفاظ پر اپنا یہ گرانمایہ علمی وتاریخی بحث ختم کرتا ہوں۔

هو الله المستعان وعليه التكلان.

خادم العلم و العلماء

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری الحفی البغدادی

(رئیس کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی)

۱۹ر فروری ۲۰۰۷۔ کراچی

بابِ اوّل

خاندانی پس منظر

بسم الله الرحمن الرحیم
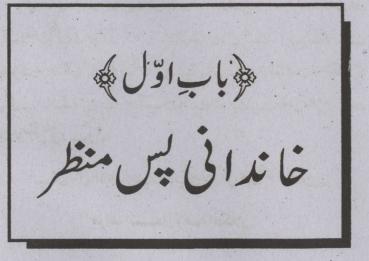
باب اوّل

خاندانی پس منظر

حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادیؒ کے آباء واجداد، سادات مشہد، ایران، کے رہنے والے تھے اور ''اورنگ زیب عالمگیر'' کے عہد میں ''مشہد'' سے ہندوستان آئے اور بڑے بڑے اعلیٰ مناصب اور عہدوں پر مامور ہوئے، بڑی بڑی جاگریں حصے میں آئیں، جو نسلاً بعد نسلٍ اس کا کچھ حصہ آپ کے ورثہ میں بھی آیا۔ خاندانی اعتبار سے یہ گھرانہ ہمیشہ ہی علم و فضل کا آفتاب، علوم و فنون کا ماہتاب، رہا ہے۔ ہندوستان کے شمالی علاقے لکھنؤ، رام پور، بدایوں، متھرا، علی گڑھ، میرٹھ، آگرہ، کانپور، اور بریلی کی طرح مرادآباد کو بھی بڑی دینی سیاسی تعلیمی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس شہر مرادآباد میں جہاں بڑے بڑے علماء کبار چمنستان علم کے مسند بچھائے بیٹھے تھے انہی میں حضرت مولانا سید معین الدین متخلص نزہت ملقب استاذ الشعراء بھی تھے۔ مرادآباد کی نصف آبادی آپ سے شاگردی کا شرف رکھتی تھی اور حضرت موصوف نواب مہدی علی ذکی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ذکی کے شاگردوں میں حضرت مولانا کفایت علی کافی شہید (۱)، مولانا محمد حسین تمنا، نواب شیر علی خان، تنہا بھی

---

(۱) ضلع بجنور کے خانوادۂ سادات کے رکن علماء بدایوں، بریلی سے اکتساب علم کیا، حدیث کی سند حضرت شاہ ابو سعید مجددی رام پوری سے حاصل کی۔ ۱۸۵۸ء سے قبل آگرہ اکبرآباد میں مقیم تھے۔ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ بریلی مرادآباد، بدایوں کے اطراف میں جہاد کے لیے تبلیغی دورے کیے، مرادآباد پر قبضے کے بعد ۲۵/اپریل ۱۸۵۸ء کو فخر الدین کلالی کی مخبری پر انگریزوں نے گرفتار کیا، مقدمہ قائم ہوا، پھانسی کی سزا تجویز ہوئی، پھانسی کے حکم سے آپ مسرور ہوگئے، جب آپ کو پھانسی کے لیئے لے جائے جانے لگا تو آپ نے باآواز بلند اپنی نعت کا ایک مصرع پڑھا:

کوئی گل باقی رہے گا نہ چمن رہ جائے گا — پر رسول اللہؐ کا دین حسن رہ جائے گا

پڑھتے جارہے تھے۔ یہ واقعہ رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء کو پیش آیا۔ تحریک آزادی ہند کے علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کی نعت گوئی سیدنا مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کو بہت پسند تھی۔ (سہ ماہی العلم کراچی)

شہرت رکھتے تھے۔ واضح رہے کہ حضرت مولانا سید معین الدین نزہتؔ مراد آبادی ابتدا میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہاتھ پر بیعت ہو چکے تھے۔ مولانا قاسم نانوتوی (۱) نے مولانا سید معین الدین نزہت کو میلاد شریف پڑھنے، قیام کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی اجازت دے رکھی تھی اور میلاد شریف بہت برکت والا عمل بتایا تھا۔ ایک دن کسی نے مولانا معین الدین سے کہا کہ جناب آپ کا پیر مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی تو وہاں تھا تو انھوں نے فرمایا کہ میں کس طرح مانوں؟ مجھے خود انھوں نے میلاد شریف پڑھنے، قیام کے ساتھ صلوۃ و سلام پڑھنے کی برکت سے خبردار کیا تھا اور اجازت دے رکھی تھی جب مولانا سید معین الدین نزہت کو حسام الحرمینؔ اور تحذیرؔ الناس، (مصنفہ مولانا قاسم نانوتوی) دکھائی گئی تھی اسی وقت حضرت نزہت موصوف نانوتوی کی بیعت فسخ کر کے سیدھے بریلی پہنچے اور حضرت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور یہ تحریر فرمایا:

پھرا ہوں میں اس گلی سے نزہتؔ ہوں جس میں گمراہ شیخ و قاضی
رضائے احمدؔ اسی میں سمجھوں کہ مجھ سے احمد رضاؔ ہوں راضی

---

(۱) آپ جماعت دیوبند کے سربراہ ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں نانوتہ ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۶۰ھ میں دہلی میں مولانا مملوک علی نانوتوی مفتی صدر الدین دہلوی، شاہ عبد الغنی مجددی اور مولانا احمد علی سہارنپوری سے علوم متداولہ کی تکمیل کی اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ ہوئے، ۱۲۸۳ھ میں ہندوستان میں کئی دینی مدارس قائم کرائے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ہی مدرسہ دیوبند کے بانی تھے، جب کہ جدید تحقیق کے مطابق دار العلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی عابد حسین خلیفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تھے بعد میں اس مدرسہ پر قبضہ کرلیا گیا۔
(رسالہ دار العلوم کا بانی کون؟ ص ۲۰، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، ہمدرد یونیورسٹی دہلی)

واضح رہے کہ حضرت مولانا سید معین الدین نزہت مراد آبادی کے کئی فرزند قرآن کریم کے حافظ ہو ہو کر زادِ آخرت ہو چکے تھے اور آخر عمر میں اولاد کا عظیم صدمہ بتقاضاء بشریت شامل رہا تھا۔ چنانچہ نذر مانی کہ مولیٰ تعالیٰ نے آئندہ کوئی بچہ عطا فرمایا تو اس کو خدمت دین کے لیے وقف کر دوں گا اور جہاد ہوگا تو اس فرزند کو اپنے آگے لے کر میدان جہاد میں حاضر ہوں گا۔ چنانچہ رحمت باری نے آپ کے گھر میں بچہ عطا فرمایا اور اس بچے کی ولادت باسعادت ۲۱ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ (یکم جنوری ۱۸۸۳ء) ضلع مراد آباد یو پی۔ بھارت) میں ہوئی تاریخی نام ''غلام مصطفیٰ'' تجویز ہوا(۱)۔ خلافت کمیٹی کے دور میں علماء اہلسنّت پر ہر طرف سے حملے ہو رہے تھے اور ہندو مسلم اتحاد زوروں پر تھا۔ حسبِ سابق مخالفین نے سنیوں کے خلاف ہندوؤں کو بھڑکا رکھا تھا۔ دوسری طرف شہر مراد آباد میں مدرسہ شاہی کے زیر اہتمام ایک جلسہ کر کے صدر الافاضل کے خلاف نہ صرف زہر افشانی کی گئی بلکہ ایک پہلوان کو جس نے سر مجمع تلوار دکھا کر کہا تھا کہ اس میں اس کو قتل کر دوں گا، مقرر کر دیا گیا تھا۔ حضرت مولانا نزہت نے اس نازک اور خطرناک موقع پر ایک قطعہ تحریر فرمایا جو کوئلہ سے لکھا گیا:

یا الٰہی بے خطا بے جرم ہے یہ میرا پسر
دشمنی رکھتے ہیں اس سے شہر والے فتنہ گر
تو برائے احمد مختار ابوبکر و عمر
دشمناں را دوست گرداں دوستاں را دوست تر

(۱) تذکرہ علماء اہلسنّت، ص ۲۵۳۔ مطبوعہ کان پور انڈیا۔

رب کریم نے آپ کی دعاء قبول فرمائی اور اسی وقت سے آپ نے صدر الافاضل کو دفاع اسلام کے لیے وقف کر کے اپنا نذر پورا کر دیا۔

تعلیم ، اساتذہ:

صدر الافاضل نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا معین الدین نزہت مراد آبادی جو اپنے وقت کے ایک جید عالم بھی تھے ان سے پڑھیں۔ بعد ازاں ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۰ء میں مدرسہ امدادیہ(۱) (مراد آباد) سے دستار فضیلت حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں مولانا شاہ محمد گل (۲) ایک عارف کامل اور فاضل اجل استاد تھے۔ جو نہ صرف علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے بلکہ فن حدیث واصول حدیث، علم التوقیت والافلاک میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کی تعلیم پر توجہ فرمائی، یہاں سے فراغت کے بعد ''علمِ طب'' کی تعلیم حاصل کی اور آپ کو ''علم طب'' میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی اور اس فن میں حکیم شاہ فضل احمد امروہوی سے آپ کو شرف تلمذ تھا۔ شعر وادب میں اپنے والد ماجد، استاد الشعراء مولانا معین الدین نزہت سے کمال حاصل کیا اور ''نعیم'' تخلص فرماتے تھے۔ آپ کا دیوان ادب ''ریاض نعیم'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اپنے استاد شاہ محمد گل سے بیعت:

ابتداء میں آپ اپنے استاد قدرۃ الفضلاء رئیس العلماء حضرت مولانا سید شاہ محمد گل کابلی مہتمم سے ہی ''سلسلہ قادریہ'' میں بیعت ہوئے، لیکن بیعت

---

(۱) مراد آباد کی دینی درسگاہ جس میں کثیر تعداد میں اہل علم جمع تھے۔

(۲) آپ اپنے وقت کے جلیل القدر محدث وفقیہ اور طریقہ قادریہ کے شیخ تھے۔ آپ کے درس حدیث میں دور دور سے طلباء آتے تھے اور علمی پیاس بجھاتے تھے۔ (حیات صدر الافاضل ۲)

کے کچھ عرصہ بعد ہی حضرت شاہ گل نے آپ کو حضرت قطب العالم شیخ المشائخ ابو احمد الشاہ علی حسین الاشرفی (۱) الجیلانی کچھوچھوی (م ۱۳۵۵ھ) کے سپرد کر دیا، جن سے آپ نے بھرپور روحانی استفادہ کیا۔

سید شاہ اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمۃ سے بیعت و خلافت:

آپ کو حضرت سید شاہ الاشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمۃ سے خلافت و اجازت بھی حاصل ہوئی۔

---

(۱) آپ کی ذات مبارکہ سے سلسلہ اشرفیہ کو فروغ حاصل ہوا اور ہزار ہا افراد آپ کے دست مبارک پر توبہ کر کے اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ حضرت سیدنا آل رسول الاحمدی المارہروی کے خلیفہ بھی تھے۔ آپ کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے اتنی عقیدت و محبت تھی کہ ۱۹۲۵ء میں جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے علماء و مشائخ کے اجلاس میں یوں ارشاد فرماتے ہیں: "اے معاصر بزرگو، اے علم شریعت کے علمبردارو، اے پیارے سنی بھائیو، سرزمین بریلی پر ایک حق گو، حق پرست، اور حق شناس ہستی تھی جس نے بلاخوف لومۃ لائم، اعلان حق کے لیے میدان جہاد میں قدم رکھ دیا اور قوم کے تفرقوں سے بے پرواہ ہو کر اپنی اس شانِ امامت و تجدید کو عرب و عجم پر روشن کر دیا۔ جس کی عظمت کے سامنے اعدائے دین کے کلیجے دہراتے ہیں۔ میرا اشارہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے جن کے فراق نے میرے بازو کو کمزور کر دیا اور مسلمانوں کو جن وفات نے بیکس و ناتواں کر دیا۔ آپ لوگ عقیدت کے پھول اس وقت پیش کریں اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب مولانا کی خدمت میں ہدیہ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ اشرفی میاں علیہ الرحمۃ کے خطبہ کے متذکرہ اقتباس سے سطر سطر سے محبت کے پھول جھڑ رہے ہیں، خدا کرے بریلی اور کچھوچھہ کے درمیان یہی عقیدت و محبت سدا قائم و دائم رہے آمین۔ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ ابوالمحمود احمد اشرف الاشرفی الجیلانی اور نواسے حضرت محدث اعظم ہند سید محمد الاشرفی الجیلانی تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے اور حضرت محدث اعظم (علیہ الرحمۃ) زندگی بھر مسلک اہلسنت کیلئے خدمت کرتے رہے اور تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ (نوری)

امام اہلسنّت فاضل بریلوی سے بیعت وخلافت:

کچھ عرصہ کے بعد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی (م ۱۹۲۱ء) کے خدمت میں "دارالعلوم منظر اسلام" بریلی حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان نے آپ کو خلافت واجازت اور اسناد حدیث سے سرفراز فرمایا اور اس طرح آپ کا شمار بھی "مدرسہ منظر الاسلام" کے فارغ شدہ طلباء میں ہونے لگا، واضح رہے کہ اس وقت کے رواج کے مطابق درس نظامی سے فراغت کے بعد ہی اکثر اساتذہ کرام اپنے لائق تلامذہ کو اسناد "فی فنون وعلوم" تو دیتے ہی تھے، روحانی اسناد یعنی خلافت بھی عطاء فرماتے تھے۔ بعض تلامذہ علوم درس کسی اور استاد سے حاصل کرتے تھے اور خلافت کسی اور شیخ سے، اور بعض تلامذہ کو تو کئی مشائخ سلاسل سے خلافتیں عطا ہوئیں، اور ہر دور میں خلافت کو "اسناد ظاہری" کا تتمّہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ آپ پہلے "استاذ العلماء" کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، لیکن جب سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے آپ کو "صدر الافاضل" کے لقب سے موسوم کیا آپ اپنے مرشد کے اس عطا کردہ لقب سے زیادہ مشہور ہوئے۔ آپ فاضل بریلوی کے راز دار اور رمز شناس خلفاء وتلامذہ میں شمار ہوتے تھے، آپ نے ان کے مشن کو بڑی کامیابی کے ساتھ آگے بڑھایا اور آپ ہی کی طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دیگر خلفاء اور تلامذہ ومعتقدین نے بھی مسلمانان ہند کی سیاسی اور مذہبی امور میں بھرپور رہنمائی فرمائی۔ جن کا ہم آئندہ ذکر کریں گے۔
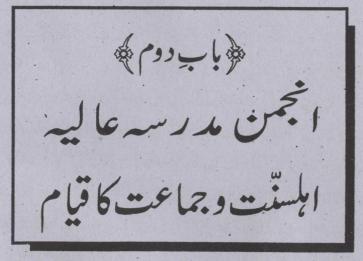
بابِ دوم
انجمن مدرسہ عالیہ
اہلسنّت وجماعت کا قیام

﴿بابِ دوم﴾

انجمن مدرسہ عالیہ اہلسنّت و جماعت کا قیام

مدرسہ انجمن اہلسنّت و جماعت مرادآباد کی تاسیس:

۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۰ء میں آپ نے مرادآباد میں ''دارالعلوم منظر اسلام'' کی ایک ذیلی برانچ بنام ''مدرسہ انجمن اہلسنّت و جماعت'' کی بنیاد رکھی۔ بعد میں ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء میں یہ مدرسہ آپ کے نام کی نسبت کی وجہ سے ''جامعہ نعیمیہ'' قرار پایا۔ اس جامعہ نعیمیہ اشرفیہ رضویہ سے دنیا کے گوشے گوشے سے طلباء تعلیم حاصل کر کے رخصت ہوئے اور انھوں نے دینی، وسیاسی اور ملکی خدمات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اور آج بھی ہندوستان کے مسلک اہلسنّت بریلی کے مرکزی درسگاہوں میں یہ ادارہ ایک بنیادی مرکزی علمی درسگاہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

تبلیغ اسلام کا آغاز اور ماہنامہ ''السواد الاعظم'' کا اجراء:

حضرت ''صدر الافاضل'' اس درسگاہ کے ذریعے تبلیغ اسلام اور ناموس مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ آلہ وسلم) کی حفاظت وحمایت میں ہمہ تن مصروف رہتے، آپ نے اپنے رسالہ ''السواد الاعظم'' میں جو ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں جامعہ نعیمیہ سے جاری کیا اس کے ذریعے ''پنڈت دیانند سرسوتی'' کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش کے اسلام اور شارع اسلام'' پر اعتراضات کے مسکت و مدلل جواب دیئے۔ تبلیغ اسلام کے لیے یوپی کے شہر الموڑہ، نینی تال، ہلدوانی وغیرہ کے پہاڑی علاقوں کا بھی دورہ کیا اور وہاں قیام فرمایا اور ایک رسالہ ''پراچین کال'' تحریر فرمایا جو غالباً پہاڑی زبان میں تھا، اشاعت اسلام کے لیے آپ نے پھیری والوں کے روپ میں پورے ہندوستان میں

اپنے نمائندے بھیجے جنھوں نے گھر گھر جا کر اسلام پھیلایا۔ دو قومی نظریہ کی بھرپور حمایت اور ہندوؤں کی عیاریوں کی خوب قلعی کھولی۔

الہلال والبلاغ میں مستقل مضمون نگاری:

اس سے پہلے آپ مولانا ابوالکلام آزاد کے رسالہ ''الہلال'' میں علمی مقالات اور مضامین لکھ کر اہل علم میں اپنا مقام واضح کر چکے تھے۔ آپ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے مسلسل رابطے میں رہتے تھے۔ آپ اکثر اوقات بریلی میں کئی روز تک قیام فرماتے تھے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اکثر ہندوؤں، سدھیوں اور بدمذہبوں سے مناظرے کیلئے آپ کو بھیجا کرتے تھے۔ آپ کے مشورے اور ایما پر جہاں بڑے بڑے علماء وفضلاء اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی ان میں حضرت علامہ السید شاہ دیدار علی الوری شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لاہور بھی تھے۔ اس روحانی سفر کا ذکر جمیل مولانا صاحبزادہ اقبال احمد فاروقی مدظلہ، لاہور(۱) تحریر کرتے ہیں کہ حضرت مرجع الفقہاء والمحدثین مولانا شاہ سید محمد دیدار علی شاہ ابن سید نجف علی شاہ الوریؒ جو ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے اور ابتدائی کتب مولانا قمر الدین الوری سے پڑھنے کے بعد درس نظامی کی بقیہ کتب مولانا مفتی ارشاد حسین رام پوری المتوفی ۱۳۱۱ھ اور مولانا مفتی محمد کرامت اللہ دہلوی المتوفی ۱۹۲۸ء سے پڑھیں اور علم حدیث کی تعلیم مولانا احمد علی محدث سہارنپوری المتوفی ۱۲۹۷ھ اور مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی المتوفی ۱۳۱۳ھ علیہم الرحمۃ سے حاصل کی۔

تحصیل علوم باطنی:

ظاہری علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ آپ روحانی تشنگی کا بھی سامان جمع

---

(۱) مؤلف ''تذکرہ علماء اہلسنت وجماعت لاہور''۔

کرنے کی فکر سے کبھی غافل نہ رہے تھے۔ آپ ہمیشہ کاملین وقت کی تلاش میں رہے اور آپ کے دل و روح کی دھڑکنیں برملا یہ پکارتیں ہیں:

پڑھ لئے میں نے علوم شرق و غرب
روح میں باقی ہے اب تک درد و کرب

چنانچہ آپ ابتدأ تلاش حق میں انبالہ پہنچے اور وہاں کی عظیم شخصیت حضرت سائیں توکل[1] ابنالوی علیہ الرحمۃ کی وجود مسعود کی بدولت مہبط انوار روحانی بنا ہوا تھا۔ ان کی محفل متبرک میں شریک ہو کر آپ نے اپنا دامن امید دراز کر دیا۔ حضرت شاہ انبالوی کی نگاہ کیمیا نے اس امیدوار کی جوہر علم کو روحانیت کی آبداری سے چمکا دیا۔ خلعت و شال عطا فرماتے ہوئے فرمایا۔

''تم گنج مراد آباد چلے جاؤ تمہارا حصہ وہاں تمہارے لیے چشم براہ ہے''۔

آپ دوبارہ گنج مراد پہنچے اور حضرت گنج مراد آبادی کی خدمت میں سلوک کی منزلیں طے کرنے لگے۔

دانہ می چیدیم ہر جائیکہ خرمن بافتیم

سلسلہ نقشبندیہ میں خلافت اور خلعت فاخرہ سے نوازے گئے۔ پھر سلسلہ چشتیہ میں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید شاہ ابواحمد المدعو محمد علی حسین الاشرفی الجیلانی کچھوچھوی خلیفہ سیدنا آل رسول الاحمدی المارہروی (علیہ الرحمۃ) المتوفی ۱۳۵۵ھ سے علم و کمال حاصل کیے۔ لیکن دل کو تشفی نہ ہوئی۔

نگاہِ رضا...... ایک ایمان افروز واقعہ:

آپ کے اس دور میں مراد آباد سے بھی علم و ادب فقہ اور حدیث علم و عرفان

---

(۱) اپنے عہد کے ایک عارف کامل تھے، آپ کے فیض سے ایک دنیا مستفید ہوئی۔ (نوری)

کے چشمہ ابل رہے تھے۔ آپ یہاں پہنچے۔ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ اس شہر میں آپ کے علمی اور حقیقی روحانی ساتھی بنے۔

آپ نے اعتقادی رہنمائی اور پختگی کے لیے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کا نہ صرف ذکر کیا بلکہ مولانا سید دیدار علی شاہ کو آپ سے ملاقات کی ترغیب دی تو آپ نے کہا:

''بھائی! مجھے ان سے کچھ حجاب سا آتا ہے، پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور سنا ہے طبیعت کے درشت ہیں''۔

اس کے باوجود حضرت صدر الافاضل ہی آپ کو اپنے ہمراہ بریلی لے گئے۔ اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت مولانا شاہ دیدار علی علیہ الرحمۃ نے ازرہِ ادب عرض کی۔

''حضرت مزاج کیسے ہیں؟''

اعلیٰ حضرت فرمانے لگے! بھائی کیا پوچھتے ہو؟ پٹھان ذات ہوں، مزاج کا درشت ہوں'' یہ جواب سنتے ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو نکلے اور معذرت پیش کر کے سر عقیدت جھکا دیا۔ اور پھر اعلیٰ حضرت نے نگاہ شفقت سے اعتقادی درشتگی کا وہ رنگ بھر دیا کہ مولوی ظفر علی خان کا قلم بھی اس رنگ کو پھیکا نہ کر سکا۔ واضح رہے کہ مولوی ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار لاہور نے مولانا سید دیدار علی شاہ الوری علیہ الرحمۃ کو جب انھوں نے لاہور میں مدرسہ حزب الاحناف قائم کیا تھا تو اس وقت محض اعتقادی اختلاف کی بناء پر آپ کے خلاف اپنے اخبار میں سوقیانہ نظمیں لکھتے رہے تھے۔ مولانا ظفر علی، حضرت مولانا دیدار علی اور دیگر علماء اہلسنّت کے خلاف اکثر و بیشتر ہجو گوئی سے

کام لیتے اور اپنے اخبار میں چھاپتے رہتے تھے۔ لیکن مولانا اس ہجو گوئی کا جواب اپنے راسخ الاعتقادی سے دیتے رہے۔ اور کچھ عرصے بعد ہی مولانا ظفر علی خان کا اخبار تو بند ہو گیا مگر مولانا سید دیدار علی کا لگایا ہوا پودا ''دار العلوم حزب الاحناف' لاہور آج بھی دین کی خدمت میں مصروف عمل ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے نہ صرف آپ کو خلافت وخلعت رضویہ فکریہ سے مزین کیا بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے فرزند ارجمند مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابو البرکات سید احمد قادری الوری علیہ الرحمۃ کو بھی سند خلافت کے ساتھ تمام کتب فقہ حنفی کی روایت کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ آپ نے اعلیٰ حضرت سے یہ سند ۱۳۳۴ھ بمطابق ۱۹۱۶ء میں حاصل کی (۱) اور کئی سال تک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی خدمت میں فتویٰ نویسی کے علاوہ علم التصوف والاخلاق و علم المناظرہ کا درس لیتے رہے تھے۔ فتاویٰ رضویہ کی جلد اول حسنی پریس بریلی سے آپ ہی کی سرپرستی میں شائع ہوئی۔ آپ اور آپ کے والد ماجد ۱۹۲۳ء میں لاہور آگئے اور یہاں ۵۰ سال تک لاہور اور پنجاب کے دیگر علاقوں میں خدمت دین کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ متعدد بالخصوص تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت اور دیگر تحاریک دینیہ و سیاسیہ میں مرکزی کردار ادا کیا۔ آپ کا وصال ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۰ء لاہور میں ہوا اور مدرسہ حزب الاحناف کے احاطے میں مدفون ہوئے (۲)۔

فاضل بریلوی کا سفر آخرت اور صدر الافاضل

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ راکتوبر

---

(۱) عکس خلافت صفحہ آخر پر ملاحظہ کیجئے۔

(۲) ''تذکرہ'' ،اہلسنت وجماعت لاہور'' اور ''تذکرہ اکابر اہلسنت'' ص ۱۴۳، مکتبہ رضویہ لاہور

۱۹۲۱ء بروز جمعہ دن ۲ بجکر ۳۸ منٹ پر، ایک طرف حی علی الفلاح کی آواز سنی ادھر روح فتوح نے داعی الی اللہ لبیک کہا۔ حضرت علامہ الحاج حسنین[1] رضا خان بریلوی ابن حضرت مولانا حسن رضا خان بریلوی خلیفہ اعلیٰ حضرت اور شاگرد بھی اس وقت بہ نفس نفیس اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ آپ تحریر کرتے ہیں کہ:

آپ نے دنیا سے روانگی کے وقت وصیت نامہ تحریر کرایا۔ پھر اس پر خود عمل کرایا، اپنے بڑے صاحب زادے مولانا حامد رضا خان بریلوی سے کہا کہ وضو کر آؤ اور قرآن عظیم لاؤ۔ پھر برادرم مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی سے ارشاد فرمایا کہ سورہ یٰسین شریف اور سورہ رعد شریف کی تلاوت کرو۔ حسب الحکم دونوں سورتیں پڑھی گئیں۔ آپ نے دونوں سورتوں کی تلاوت سنی اپنی زبان سے اعادہ کرتے رہے۔ پھر کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پورا پڑھا، ادھر ہونٹوں کی حرکت وذکر کا ختم ہونا تھا کہ آپ کے چہرہ مبارکہ پر ایک لمحہ نور کا چمکا۔ جس میں جنبش تھی، جس طرح آئینہ میں لمعانِ خورشید جنبش کرتا ہے۔ اس کے غائب ہوتے ہی وہ جانِ نور جسم اطہر اعلیٰ حضرت البرکت سے پرواز کرگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

غسل شریف اور تدفین:

اس وقت سینکڑوں لوگ علماء کرام، مشائخ عظام، سادات عظام اور حفاظ موجود تھے۔ جناب مولانا الحاج سید اظہر علی صاحب نے لحد کھودی۔ حسب وصیت

(۱) راقم الحروف بچپن میں آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کرچکا ہے۔ تقریباً شکل وصورت اور قدوقامت میں آپ بھی حضرت علامہ الحاج تقدس علی خان بریلوی علیہ الرحمۃ سے بالکل مشابہ تھے۔ (نوری)

حضرت صدر الشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے غسل دیا جب کہ حضرت مولانا حافظ سید امیر حسن مراد آبادی نے مدد دی۔

اس وقت حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا محمد رضا خان بریلوی، مولانا حسنین رضا خان بریلوی، مولانا سید محمود جان جودھپوری، اور دیگر علماء ربانی وغیرہ مدد دینے میں مصروف تھے۔ جب کہ حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی وقت غسل کی دعائیں پڑھاتے رہے۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی نے مواضع سجود پر کافور لگایا۔

اور حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے کفن شریف بچھایا۔ الغرض غسل و تکفین سے فراغت کے بعد خواتین اہل خانہ کو زیارت کا موقع دیا گیا۔ جنازے کو کاندھا دینے کی آرزو میں وجد شوق نے لوگوں کو از حد خود رفتہ و بے خود بنا دیا تھا۔ ہر شخص یہی خواہش رکھتا تھا کہ یہ امام اہلسنّت مجدد اعظم کا یہ آخری جلوس ہے لاؤ نظارہ کرلیں۔ الغرض تدفین کے بعد بھی حضرت صدر الافاضل بریلی میں کئی دن تک مقیم رہے۔

صدر الافاضل پر اعلیٰ حضرت کا اعتماد کامل:

ماہنامہ ''ضیاء حرم'' لاہور ۱۹۷۴ء کے مطابق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو آپ پر بے حد اعتماد تھا جہاں کہیں بھی مناظرہ ہوتا۔ آپ حضرت صدر الافاضل کو بھیج دیتے تھے، چوں کہ صدر الافاضل کو فن مناظرہ میں خاصا عبور حاصل تھا، عیسائی آریہ، روافض، خوارج، قادیانی اور غیر مقلدین کو تو آپ نے بارہا شکست فاش دی اور ہر میدان میں بفضلِ خدا فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے، آپ میں اپنے

مدمقابل کولاجواب کردینے کی اچھی صلاحیت تھی۔

ایک پنڈت سے مناظرہ:

آپ کے دور طالب علمی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک آریہ نے دوران مناظرہ اعتراض کیا کہ منہ بولا بیٹا بھی متبنّٰی بیٹا ہی ہوتا ہے اور تمہارے پیغمبر نے اپنے بیٹے زید کی بیوی سے نکاح کرلیا تھا یہ کیونکر جائز تھا؟ آپ نے ہر چند دلائل عقلیہ سے ثابت کیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا، مگر وہ پنڈت نہ مانا، آپ نے فرمایا تم ابھی مان جاؤ گے چناں چہ مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ پنڈت میرا بیٹا ہے اور چوں کہ یہ میرا بیٹا ہے لہٰذا اسی کے قول کے مطابق یہ میرا حقیقی بیٹا بن گیا اور حقیقی بیٹے کی بیوی باپ پر حرام اور اس کی ماں حلال ہوتی ہے تو ان پنڈت جی کی ماں مجھ پر حلال ہوگئی۔

پنڈت یہ جواب سن کر چلا اٹھا کہ تم مجھے گالی دیتے ہو؟ حضرت صدر الافاضل نے فرمایا کہ اب تو ثابت ہوگیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوا کرتا۔ پنڈت کہنے لگا کہ پہلے تمہارا مولوی یعنی مولوی قدرت اللہ مدرس شاہی مسجد مرادآباد چلا گیا تھا اور اب میں چلتا ہوں[1]۔ اللہ تعالیٰ نے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کو علم مناظرہ میں ید طولیٰ عطا فرمایا تھا۔ تمام کفار، ہندو بے دینوں سے مناظرہ کئے اور غالب رہے، آپ کے طالب علمی کا ہی دوسرا واقعہ ہے کہ مرادآباد کے محلہ گل مشہد میں قبرستان کے قریب ایک آریہ رہتا تھا اور جو شخص فاتحہ پڑھنے جاتا اس سے بلاکر کہتا کہ روح تو کسی دوسرے جسم میں داخل ہوگئی۔ بے کار فاتحہ پڑھتے ہو، اس کا کوئی فائدہ نہیں، یہ جاہل مسلمانوں کو بہکاتا، حاجی محمد اشرف جو حضرت صدر الافاضل کے معتقدین میں سے ہیں، انھوں نے آکر عرض حال بیان کیا۔ اس آریہ نے آئندہ صدر الافاضل سے

---

(۱) مجلہ معارف رضا ص ۹۰، شمارہ ۱۹۹۵ء کراچی

بھی مناظرہ کا چیلنج کیا۔ حضرت صدر الافاضل اسی روز اس کے یہاں پہنچے اور کہا کہ وہی تقریر میرے سامنے بھی کرو جو تم نے کی تھی۔ اس نے جیسے ہی تقریر کا آغاز کیا۔ صدر الافاضل نے روح کے متعلق اس سے کئی سوالات کئے اور دو دلیلیں قائم کر کے تناسخ ارواح کے باطل ہونے پر کئی دلائل پیش کیے۔ اور وہ آریہ لاجواب ہو کر کہنے لگا کہ اب میں آئندہ کسی کو فاتحہ پڑھنے سے نہیں روکوں گا۔ اب میری تسلی ہو گئی۔

ایک اور پنڈت سے مناظرہ:

دہلی میں ایک خوش آواز رام چندر نامی آریا رہتا تھا اور بہت ہی دریدہ دین واقع ہوا تھا۔ بریلی میں آ کر سارے شہر کے مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج کرتا تھا۔ ایک روز مسلمانوں نے اس کا چیلنج قبول کر لیا اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی کو آگاہ کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ میرے حوالے سے مرادآباد حضرت مولانا نعیم الدین کو تار دو تار کسی قدر تاخیر سے مرادآباد پہنچا اور صبح کو صدر الافاضل بریلی نہ پہنچ سکے تو حضرت حجۃ الاسلام نے حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب رام پوری کو جو ایک بڑے جلیل القدر عالم دین و مناظر تھے۔ مناظرہ کے لیے پیش کر دیا۔ بس کیا تھا رام چندر سے روح و مادہ کے حوالے سے گفتگو جاری تھی۔ عوام کا سمندر تھا جو دونوں طرف آوازیں لگا رہا تھا۔ اسی اثناء میں اعلان ہوا کہ مرادآباد سے حضرت صدر الافاضل آگئے آگئے۔ حضرت صدر الافاضل نے جلسہ گاہ میں پہنچتے ہی حضرت حجۃ الاسلام سے فرمایا کہ اگر میں کلام شروع کرتا ہوں تو آریہ یہ کہے گا کہ آپ کے مولوی صاحب ہار گئے، اسی لیے تو دوسرے مولوی صاحب کو کھڑا کیا گیا ہے۔ لہٰذا آپ صدر جلسہ ہیں اعلان کر دیجئے کہ گرمی کا وقت ہے صبح کے گیارہ بجے ہیں،

باقی بحث رات کو ہوگی۔ حضرت حجۃ الاسلام نے اعلان فرمایا کہ سب لوگ اور دونوں مناظر بھی صرف دومنٹ کے لیے ٹھہر جائیں۔ میں مجمع کو بتادوں کہ پنڈت جی اور مولانا صاحب کی گفتگو کا کیا نتیجہ نکلا؟ چنانچہ سب ہی لوگ ٹہر گئے۔اب صدرالافاضل نے رام چندر سے فرمایا کہ پنڈت جی آپ یہ کہتے ہیں کہ روح انسانی وحیوانی ایک ہے، صرف نوعیت کا فرق ہے، پنڈت جی نے کہاہاں۔ پھر فرمایا کہ مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ فقط صورت ہی کا فرق نہیں بلکہ روئے حیوانی اور روح انسانی میں بہت فرق ہے۔ مولانا ظہور الحسن رام پوری نے فرمایا کہ صحیح ہے۔ صدرالافاضل نے مجمع سے دریافت کیا۔ آپ لوگ کچھ سمجھے؟ مجمع نے کہا کچھ نہیں، صدرالافاضل نے کہا کہ پنڈت جی کہتے ہیں کہ آدمی اور گدھے میں روحانی کچھ فرق نہیں گدھا اور آدمی ایک ہیں۔ فقط صورت میں فرق ہے۔ تمہارے سامنے انھوں نے اقرار کیا کہ روح حیوانی اور انسانی ایک ہے۔ یہ سن کر تمام مجمع قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ پنڈت جی اور گدھے میں فقط صورت کا فرق ہے ورنہ دونوں ہی ایک ہیں۔ اور مجمع عام سے آواز آنے لگی کہ اللہ صدرالافاضل کوزندہ وسلامت رکھے، جنھوں نے دولفظوں میں ہی سارے مناظرے کا نچوڑ ہمیں سنادیا۔ یہ جلسہ کامیابی سے ختم ہوا اور رام چندر کو بھاگنا پڑا۔

صدرالافاضل کے اوصاف...... بزبان ڈاکٹر محمد مسعود احمد:

عصر حاضر کے جلیل القدر محقق ومدقق اور کتب کثیرہ کے مصنف ومرتب ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں اپنی نوعمری میں کئی بار حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں۔ آپ تبلیغ اسلام اور ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت وحمایت میں ہمہ تن

مصروف رہتے۔ اس سلسلہ میں آپ نے عیسائیوں اور آریوں کے ساتھ کامیاب مناظرے فرمائے۔ آپ نے اپنے رسالہ ''السواد الاعظم'' میں بھی ان کا مدلل رد کیا۔ پنڈت رام چندر کے علاوہ دیانند سرسوتی اور دیانند سرسوتی کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' کے اسلام پر اعتراضات کے مسکت و مدلل جوابات دیئے۔ مگر تحریر و تقریر میں کسی مقام پر بھی تہذیب و شائستگی کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء کے درمیان شدھی کی تحریک چلی تو اس کی مدافعت کیلئے صدر الافاضل نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ابتداء میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی قائم کی، جس کے تحت اس فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کیا گیا۔ صدر الافاضل نے آگرہ کو اپنا ہیڈ کواٹر بنایا اور بالآخر پنڈت شردھانند کے اس فتنے کا خاتمہ کیا۔

آپ مزید کہتے ہیں کہ مجھے صدر الافاضل کی کئی مرتبہ تقاریر سننے کا اتفاق ہوا۔ آپ ۱۹۳۴ء سے قبل جامع مسجد فتح پوری دہلی کی محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ۱۲ ربیع الاول کی شب کو ہر سال خصوصی خطاب فرمایا کرتے تھے۔ اس محفل کے بانی میرے والد ماجد حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۹۶۶ء) ہوا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ حضرت صدر الافاضل اور آپ کے درمیان نہایت ہی برادرانہ و مخلصانہ تعلقات تھے اور انہی تعلقات کی بناء پر آپ ہی ۱۲ ربیع الاول کی شب مہمان خصوصی کی حیثیت سے تشریف لایا کرتے تھے۔

علامہ اقبال کی تائید و حمایت:

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس لندن میں

جب علامہ اقبال نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تھی تو آپ ہی نے سب سے پہلے اس تجویز کی پرزور تائید کی تھی۔ اوراس تجویز کے مخالف ہندو اخبارات ورسائل کا خوب تعاقب فرمایا تھا۔ اوراپنے موقف کے حمایت میں نہایت معقول اور دل نشین دلائل پیش کیے۔ ۱۹۴۰ء/ ۱۳۵۹ھ جب لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو اس موقع پر آپ کے تلمیذ رشید مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری علیہ الرحمۃ اسٹیج پر موجود تھے اور جلسہ کے سرگرم کارکن تھے۔ ۱۹۴۶ء میں نواب محمد اسماعیل خان میرٹھی صدر یوپی مسلم لیگ کے ذریعہ قائد اعظم کو تار دلوایا کہ جب تک حکومت برطانیہ پاکستان کے مشرقی اور مغربی علاقے کے درمیان ایک بین الاقوامی آزاد علاقہ تسلیم نہ کرلے، تقسیم کی تجویز منظور نہ کریں۔[1]

سیاسی خدمات اوراثرات:

آپ نے ۱۹۱۹ء/ ۱۳۳۸ھ اور ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت، تحریک ترک موالات کے جذباتی دور میں اپنے تحریر وتقریر کے ذریعے مسلمانوں کو اسلام کے سچے پیغام سے روشناس کرایا اور صدر ''جمعیۃ العلماء'' ہند مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا کفایت اللہ دہلوی کو ہندو مسلم اتحاد کے خطرات سے آگاہ کرکے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے سے روکا۔

واضح ہو کہ ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلماء ہند کی بنیاد مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا آزاد سبحانی اور مولانا عبدالماجد بدایونی (۲) نے لکھنؤ میں رکھی۔ ایک اور تنظیم

---

(۱) بتصرف، خلفاء اعلیٰ حضرت ص ۹۰ مرتبہ محمد عبدالستار طاہر لاہور

(۱) مذکورہ تینوں علماء کرام کا شمار علماء اہلسنت وجماعت میں ہوتا تھا۔ اگرچہ بعض مسائل سیاسیہ میں آپ اوراعلیٰ حضرت سے اختلافات تھے لیکن عقائد وافکار میں ایک اور متحد تھے۔ (نوری)

بنام ''خدام الکعبہ'' بھی قائم کی گئی تھی اور اس کے مقاصد میں مقامات مقدسہ بالخصوص حرمین شریفین کا تحفظ شامل تھا۔ ہندو گٹھ جوڑ کے نتیجے میں دیوبندی علماء نے مذکورہ بالا تنظیموں پر قبضہ کرلیا اور اس اتحاد کے تحت کانگریسیوں اور جمعیۃ العلماء ہند کے مولانا حسین احمد مدنی، مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی (ناظم جمعیت علماء ہند) وغیرہم تحریک پاکستان کے خلاف متحد ہوگئے۔ اس نازک موڑ پر صدرالافاضل کی جرأت تھی کہ آپ نے دہلی جاکر مولانا محمد علی جوہر کو بھی سمجھایا، بالآخر وہ ہندو مسلم اتحاد کی دعوت سے دست بردار ہوکر تائب ہوگئے۔ اس وقت ہندو مسلم تعلقات اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ ہندو مُقتدیٰ اور نام نہاد مسلمان لیڈر ہندوؤں کے مُقتدِی بن گئے تھے، ہندوؤں کی خوشنودی کے خاطر شعائر اسلام کا بھی پاس نہ کیا گیا، ایسے نازک موقع پر حضرت صدرالافاضل کیسے خاموش رہ سکتے تھے؟ آگے بڑھ کر مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور اس موقع پر فرمایا۔

☆صدرالافاضل کا جذبہ ایمانی:

''سلطنت اسلامیہ کی تباہی و بربادی اور مقامات مقدسہ کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانا ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ شاق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر بھی درد ہو کم ہے۔ سلطنت اسلامیہ کی اعانت وحمایت، خادم الحرمین کی نصرت و مدد مسلمانوں پر فرض ہے لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہندوؤں کو اپنا مقتدا بنایا جائے اور دین وایمان کو خیرباد کہہ دیا جائے؟ اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندو ان کے ساتھ متفق ہوکر کہتے بجا ہے، درست ہے اور مسلمان آگے ہوتے اور ہندو ان کے ساتھ ہوکر ان کی موافقت کرتے تو بے جا نہ تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں، کہیں ہندوؤں کی خاطر قربانی اور گائے کا ذبیحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی

ہیں، ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں، اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں، کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے، کروڑوں سلطنتیں ہوں تو دین خدا پر فدا کی جائیں، مگر دین کو کسی سلطنت پر برباد نہیں کیا جاسکتا، اس موقعہ پر امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کے دوسرے شاگرد اور خلیفہ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری سربراہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے آگے بڑھ کر یہ فرمایا کہ لعنت ہے اس سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جائے۔[1]

ہندوؤں کی بے وفائی سے مولانا جوہر الگ ہو گئے:

یہ صدر الافاضل ہی کی جدوجہد وکوشش تھی کہ مولانا محمد علی جوہر، صدر الافاضل سے ملنے خود مراد آباد آئے تھے اور حضرت صدر الافاضل نے پھر ہندو مسلم اتحاد کے نتائج وعواقب کی طرف ان کو متوجہ کیا تھا، اس بات چیت کے نتیجے میں ''مولانا شوکت علی بھی بعد میں مراد آباد آئے اور صدر الافاضل کے دولت کدے پر حاضر ہوئے اور ان کے سامنے ہندو مسلم اتحاد کی حمایت وتائید سے دست کش ہوئے[2]، اس وقت تک دونوں بھائیوں کو ہندوؤں کی بے وفائی کا شدید احساس ہو گیا تھا اور

---

(۱) بتصرف، خلفاء اعلیٰ حضرت ص ۹۹، مرتبہ محمد عبدالستار طاہر لاہور

(۲) ۱۹۸۸ء میں ادارہ ترقیات کراچی نے ظل احمد نظامی ڈائریکٹر ادارہ ترقیات کی نگرانی میں کراچی کے ایک علاقے گلستان جوہر کے نام سے ایک رہائشی اسکیم تیار کی، یہ علاقہ کراچی کے خوش پوش علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔ اچھا ہوتا کہ مولانا جوہر کے نام سے اس اسکیم میں ایک شاندار ریسرچ ہال یا لائبریری (بنام محمد علی جوہر) کا قیام عمل میں آتا۔ اب بھی وقت ہے ٹاؤن ناظم گلشن اقبال کراچی سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔ تعمیر کے لیے اہل خیر منتظر ہیں۔ (نوری)

چوں کہ اس وقت ہندوستان دینی، سیاسی اقتصادی اور دیگر کئی تحاریک کا مرکز بن گیا تھا اور اس وقت ان مسلمانوں کے لیے کئی جانب سے ایمانی خطرات پیدا ہو گئے تھے، جن کا مقابلہ کرنے کے لیے صدر الافاضل نے اعاظم و اکابر اہلسنّت و جماعت خواہ ان کا تعلق کسی بھی سلاسل، مشائخ اہلسنّت کی خانقاہ یا درگاہ سے تھا اور وہ فکراً و اعتقاداً، مسلکاً، مشرباً، مذہباً و سیاستاً امام احمد رضا بریلوی سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک مشترکہ دینی و سیاسی تنظیم کا قیام ضروری ہو گیا تھا۔

باب سوم

۱۹۲۵ء میں الجمعیۃ المرکزیہ کا قیام

باب سوم

۱۹۲۵ء میں الجمعیۃ المرکزیہ کا قیام

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے اہلسنّت و جماعت کے علماء ومشائخ کو جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں ۱۹۲۵ء/۱۳۴۴ھ کو جمع کیا اور تمام علماء و مشائخ کی متفقہ آراء سے اس تقریب میں ایک سنی سپریم کونسل بنام ''آل انڈیا سنی کانفرنس یعنی الجمعیۃ العالیہ المرکزیۃ'' کی بنیاد رکھی گئی۔ اوراس جمعیۃ کے ناظم اعلیٰ صدرالافاضل، جب کہ حضرت حجۃ الاسلام ''مولانا حامد رضا خان بریلوی'' اس مجلس کے صدر منتخب کیے گئے اور سرپرست اعلیٰ کی ذمہ داری حضرت شیخ المشائخ علی حسین اشرفی الجیلانی کچھوچھوی کے حصے میں آئی اور اسی اجلاس میں محدث اعظم ہند سید محمد الاشرفی الجیلانی کچھوچھوی کو صدر مستقل اور حضرت محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ (علیہ الرحمۃ (م۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء) کو سرپرست اعلیٰ مستقل طور پر منتخب کیا گیا[1]۔ اس وقت اس تنظیم کے قیام کے مندرجہ ذیل مقاصد بیان کیے گئے تھے:

الجمعیۃ المرکزیہ کے اغراض ومقاصد:

۱۔ ہندوستان کے سنی مسلمانوں کی کثیر تعداد کے انتشار کو دور کر کے ان کی تنظیم جدید کی جائے اور انفرادی طور پر مذہبی کام کرنے والوں میں ایک ربط پیدا کر کے متحدہ قوت بنایا جائے۔

۲۔ ہندوستان کے ہر شہر قصبات اور دیہات میں اسلامی انجمن قائم کرنا اور موجودہ انجمنوں کو جمعیۃ عالیہ میں مدغم کر کے مربوط کرنا۔

---

(۱) ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور۔ جنوری ۱۹۷۴ء

۳۔ تبلیغی کام کے لیے خاص مدارس کھولنا۔
۴۔ مذہبی تعلیم عام کرنے کے لیے مسلمانوں کے ہر طبقے کو مذہب سے باخبر رکھا جائے۔
۵۔ انگریزی خواں طلباء کے لیے مذہبی تعلیم کا خاص اہتمام کیا جائے۔
۶۔ مزدوروں اور پیشہ وروں کی تعلیم کے لیے مدارس شبینہ جاری کیا جائے۔
۷۔ مسلمانوں کو تجارت کی طرف مائل کرنا اوران کی معاشرت میں اصلاح کرنا۔
۸۔ مسلمانوں کو قرض کی عادت چھڑانا اور ایسی تدابیر کرنا کہ مسلمان اپنی ضرورتیں خود پوری کریں اور غیر اقوام کے سامنے قرض کے لیے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے محفوظ رہیں۔
۹۔ بے کار مسلمانوں کے لیے ذریعہ معاش تجویز کرنا اور انھیں کام پر لگانا[1]۔

الجمعیۃ المرکزیہ کے تاسیسی اجلاس میں حجۃ الاسلام کا تاریخی خطبہ:

واضح رہے کہ سنی کانفرنس (الجمعیۃ العالمیہ المرکزیہ) کے اس تاسیسی اجلاس میں حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں البریلوی ابن امام احمد رضا البریلوی نے صدرِ مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے جو تاریخی خطبہ دیا، وہ اپنی افادیت کے اعتبار سے آج بھی قابل عمل اور کارآمد ہے۔

اس خطبہ میں مسلمانوں کی ترقی کے اصول، تعلیم، تنظیم، اتحاد معاشرت، اقتصادیات، تہذیب وتمدن، روایات، اور مذہبیات کے علاوہ متحدہ قومیت کے مضر اثرات، مختلف تحریکوں میں لیڈروں کو بے اعتدالیاں اور سوراج کے سنہری جال کا

---

(۱) خطبہ صدارت حضور محدث اعظم ہند آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۴۶ء بنارس

حال بیان ہے۔ اگر آج کے مسلمان بھی اس خطبہ میں مندرج نکات پر عمل کرلیں تو ان کی حالت سنور سکتی ہے۔

۱۹۲۵ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک ملک بھر میں اس عالی تنظیم کے متعدد اجلاس ہوئے جن میں پیش آمدہ حالات کے مطابق مسلمانوں کی رہنمائی کی جاتی رہی۔ ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۶ء کے صوبائی اور مرکزی انتخابات ہوئے جن کی بنیاد پر قیام پاکستان کا فیصلہ ہونا تھا۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی جو اس وقت مطالبہ پاکستان کے لیے کوشاں تھی اس کے مقابل کانگریس، احرار، جمعیۃ علماء ہند وغیرہ کی متعدد سیاسی و مذہبی جماعتیں تھیں جو مطالبہ پاکستان کی مخالفت کررہی تھیں۔ کانگریس نے جمعیت علماء ہند کے رہنماؤں کو دولت سے خرید لیا تھا۔ اور کانگریس کو جمعیۃ علماء ہند جس کے مرکزی قائدین میں مولانا مفتی کفایت اللہ الدھلوی' مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی وغیرہ پیش پیش تھے آگے بڑھنے کی تقویت حاصل ہوئی۔ عامۃ المسلمین کو وہ قرآن وحدیث کے مقدس نام سے تبلیغ کررہے تھے کہ مطالبہ پاکستان مسلمانوں اور اسلام کے مفاد میں نہیں۔ شرعی طور پر اس کا جواز نہیں۔ اس کے مقابلہ میں مطالبہ پاکستان کے شرعی جواز اور ملی مفاد کی تبلیغ کا فریضہ آل انڈیا سنی کانفرنس کے علماء ومشائخ اور زعماء ملت ادا فرما رہے تھے، ان کا یہ فریضہ ادا کرنا مسلم لیگ کے ایماء اور مالی تعاون سے نہ تھا۔ یہ حضرات اسے مذہبی وملی فریضہ جان کر بے لوث ادا کررہے تھے اس طرح ان حضرات کی مساعی سے مسلم لیگ کا کام آسان ہوگیا اور اس سے تقویت ملی۔ رائے عامہ کو مطالبہ پاکستان کے حق میں ہموار اور موافق کرنے میں علماء کرام کی تقاریر، مفتیان عظام کے فتاوے اور مشائخ عظام کے ارشادات نے تاریخی کردار ادا کیا، محققین اور مورخین اس سے غافل نہیں رہ سکتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ پاکستان سنیوں نے قائم کیا تو بے جا نہ ہوگا"۔

(خطبہ صدارت محدث اعظم ہند، سنی کانفرنس بنارس ۱۹۴۶ء)

واضح رہے کہ ۱۹۲۱ء میں امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت (رضی اللہ عنہ) کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کے فکری مشن کو فروغ دینے کے لیے اعلیٰ حضرت (رضی اللہ عنہ) کے پیر بھائی اور احباب میں قریب ترین محبّ حضرت شیخ المشائخ علی حسین اشرفی الجیلانی کچھوچھویؒ المعروف اشرفی میاں ہی کی ذات باقی رہ گئی تھی، جن کی سرپرستی میں مولانا نعیم الدین مرادآبادی برصغیر کے ہر سلاسل کے مشائخ عظام اور علماء انام کو تحفظ ناموس رسالت وتحفظ عقیدہ اہلسنّت و جماعت کے علاوہ ملی ودینی اور اقتصادی خدمات انجام دینے کے لیے ایک جگہ جمع کرنے میں ہو گئے تھے۔

شدھی تحریک کا مقابلہ اور مدافعت:

اس وقت ہندوستان میں شدھی تحریک زوروں پر تھی اور مسلمانوں کو پھر ہندو بنانے کی کوشش کی جانے لگی تھی تو اس وقت بھی مسلمانوں کی مدافعت کے لیے حضرت صدر الافاضل نے ''تحریک جماعت رضائے مصطفیٰ'' کے زیر اہتمام عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے اور اس فتنہ ارتداد کا مقابلہ کیا۔ انھوں نے ''آگرہ'' کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اور یہاں سے متھرا، بھرت پور اور اجمیر وغیرہ کے طوفانی دورے کیے۔ ہزاروں مرتد دوبارہ داخل اسلام ہوئے اور آپ کی تبلیغی کوششوں سے بالآخر ''شردھانند'' کے اس فتنے کا خاتمہ ہوا۔

جماعتِ رضائے مصطفیٰ کا قیام ۱۹۱۷ء:

اس تحریک میں آپ کے ساتھ دیگر علماء ومشائخ کے علاوہ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ بھی تھے۔ واضح رہے کہ جماعت رضائے مصطفیٰ ۱۹۱۷ء میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بریلی میں قائم کی تھی اور اس کے مقاصد میں ہندوستانی مسلمانوں کو بدمذہبوں سے محفوظ رکھنا بھی شامل تھا۔ صدر الافاضل کے بعد حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ اس جماعت کے صدر بنائے گئے جو آخری عمر تک صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے تھے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ

کے پلیٹ فارم سے زیادہ تر سیاسی امور انجام دیئے جاتے تھے۔

سیاسی تائید وحمایت:

پھر ۱۹۳۱ء میں جب علامہ اقبال نے الہ آباد میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تھی تو ہندوستان میں سب سے پہلے صدر الافاضل نے نہ صرف اس کی پرزور تائید کی تھی اوراس تجویز کے مخالف ہندو اخبارات ورسائل کا آپ نے خوب بھرپور تعاقب اپنے جاری کردہ ''ماہنامہ السواد الاعظم'' کے ذریعہ فرمایا اور اپنے موقف کی حمایت میں نہایت معقول اور دل نشین دلائل پیش کیے۔ آپ نے ''السواد الاعظم ۱۳۴۹ھ'' کے شمارے میں یہ لکھا کہ ڈاکٹر اقبال کی رائے کہ:

> ''ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ ہندوؤں کے زیر اقتدار ہو اور دوسرا مسلمانوں کے''۔

صدر الافاضل کے اس تائیدی بیان پر ہندوؤں کو کس قدر اس پر غیض وغضب آیا ہوگا؟۔ اس صورت حال کا اندازہ ہندو اخبارات دیکھنے سے لگایا جاسکتا ہے۔ کیا یہ کوئی ناانصافی کی بات تھی؟۔ اگر اس ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا تو ہندوؤں کو بھی اس سے نفع ملتا، لیکن ہندو اس وقت خالی بات بھی سننے اور نوک زبان پر لانے کو تیار نہیں تھے، جو مسلمانوں کو اچھی معلوم ہو۔ اس حالت میں بھی کوئی مسلمان کہلانے والی جماعت ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے؟ تو اس پر ہزار افسوس، کاش اس وقت یہ حضرات خاموش ہو جائیں اور کام کرنے والوں کو کام کر لینے دیں۔ آپ نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں علامہ اقبال کے اس نظریے کو فروغ دیا اور کہتے رہے کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے انھیں مسلمانوں کے لیے علیحدہ ریاست کے طور پر کر دیا جائے۔(۱)

---

(۱) ترجمان اہلسنت کراچی ۱۹۷۴ء

بقول چوہدری خلیق الزماں مرحوم جب علامہ اقبال الہ آباد میں اپنے ان خیالات کا اظہار کر رہے تھے اس وقت ہندو تو ہندو، مسلم لیگی لیڈروں میں بھی بے رخی ولاتعلقی کی کیفیت پائی جاتی تھی، ایسی صورت میں صرف مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ کی تائید وحمایت علامہ اقبال اور مسلم لیگ کے لیے بڑی اہمیت رکھتی تھی۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی تحریر کرتے ہیں کہ

''برصغیر پاک وہند میں جتنی بھی تحریکیں چلیں ان سب کا مقصود ومدعا اسلامی معاشرہ کا قیام تھا۔ درحقیقت تحریک ترک موالات کے بعد بریلی مکتبۂ فکر کی قیادت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی امام احمد رضا کے خلیفہ کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ انھوں نے اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ اپنی جماعتی پروگرام کو وسیع تر کیا اور ان کی شاخ پاکستان کے قیام کی جدوجہد میں ہمہ تن مصروف ہوگئی''۔(۱)

برصغیر کے علماء ومشائخ اہلسنّت کے نام صدرالافاضل کا تاریخی مراسلہ:

چنانچہ اس سلسلہ میں ۱۹۳۵ء میں مولانا سید نعیم الدین مرادِ آبادی نے برصغیر کے علماء اہلسنّت اور مشائخ عظام کی خدمت میں مندرجہ ذیل عنوان کے تحت ایک ضروری مراسلہ ارسال فرمایا۔

حضرات محترم دام مجدھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرات کرام مشائخ وعلماء اہلسنّت کے ارتباط وتنظیم کے شدید ترین ضرورت جناب سے مخفی نہ ہوگی۔ زمانہ کی موجودہ حالتوں میں یہ ضرورت جس قدر اہم ہوگئی ہے اس پر بھی آپ کی نظر ہوگی۔

---

(۱) معارف رضا ۱۹۹۳ء

جناب والا!

حضرات مشائخ وعلماء اہلسنت سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کے مشائخ وعلماء کے اسماء تحریر فرما کر ارسال کریں تا کہ ان حضرات کی خدمت میں قرطاس رکنیت آل انڈیا سنی کانفرنس بھیجے جائیں۔ یہ لحاظ ضروری ہے کہ جن حضرات کے نام تحریر فرمائے جائیں وہ قابل اعتماد سنی ہوگا۔

نوٹ: ہمارے اکابرین اہلسنت نے متفقہ طور پر سنی کی جو تعریف کی ہے وہ نقل کرتا ہوں۔

ا۔ سنی وہ ہے جو ''ما انا علیہ واصحابی'' کا مصداق ہوسکتا ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ دین، خلفاء اسلام اور مسلم مشائخ طریقت اور متاخرین علماء دین سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت ملک العلماء بحر العلوم مہاجر فرنگی محلی، حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی، حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی، حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد حسین رام پوری، اعلیٰ حضرت مولانا مفتی احمد رضا خان صاحب بریلوی علیہم الرحمۃ والرضوان کے مسلک پر ہو۔

۲۔ اس تنظیم کی ممبری کے لیے سنی صحیح العقیدہ ہونا شرط ہے۔ کسی قسم کا بد مذہب اس جمعیت کا رکن نہیں ہوسکتا۔

والسلام

محمد نعیم الدین عفی عنہ

ناظم اعلیٰ، انڈیا سنی کانفرنس

از مراد آباد ۲۸ / اگست ۱۹۳۵ء

مذکورہ خط کے نقول پورے ہندوستان کے علماء اہلسنت ومشائخ کے خدمات میں بھیجے گئے اور ذیلی دفاتر باسم ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' قائم کیے گئے۔ اس موقع پر ہفت روزہ دبدبۂ سکندری رام پور نے ایک مفصل اداریہ تحریر کیا تھا۔ اس ہفت روزہ کی موثر آواز نے آل انڈیا سنی کانفرنس کی تحریک میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

''دبدبۂ سکندری'' کا اداریہ:

اس نازک دور ابتلاء فتن میں جب کہ مسلمانوں کا شیرازہ ملی بکھر گیا ہے اور مسلمانوں میں اختلاف کروٹیں لینے لگا ہے اور مسلمان آپس میں لڑنے لگے ہیں، اسلام اور مسلمانوں پر جو مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں ان میں ہولناک اور مضرت رساں مصیبت یہ ہے کہ کچھ مسلمان قسم کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بے دینی اور لامذہبی کے بھیانک سمندر میں ڈبودیں، ان کے دلوں سے محبت اولیاء کو زائل کر دیں اور ہندوؤں کے آسن پر لا کھر بٹھادیں۔ انھیں عیار اور شاطر مسلمانوں کی چالبازیوں کو دیکھ کر اسلام کے سچے علماء اور فدایان مذہب اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ حضرات علماء اہلسنّت اور مشائخ کرام کو بربادی ملت کا شدید احساس ہوگیا ہے اور ہندوستان کے تمام سنیوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی سعی بلیغ میں مصروف ہوگئے ہیں اور جہان سنیت کو لادینی اور گمراہی کے سیلاب سے بچانے کے لیے ملک کے اکابر علماء اہلسنّت اور مشائخ نے آل انڈیا سنی کانفرنس (الجمعیۃ المرکزیہ العالیہ) کی بنیاد رکھ دی ہے۔ ہم سنیوں کے مستحق ہزاروں ہزار احترام و عظمت حضرت جناب استاذ العلماء صدر الافاضل مولانا مولوی مفتی حکیم الحاج سید شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی اور دیگر حضرات اکابرین کرام بے شمار مبارکبادوں کے مستحق ہیں کہ انھوں نے قوم کی دکھتی ہوئی رگوں کو پہچان لیا ہے۔ مسلمانوں کے اترے ہوئے چہروں کو بھانپ لیا ہے اور ملت اسلامیہ کی کسمپرسی، ذلت، تباہی اور بربادی کا راز معلوم کرلیا ہے۔ ہم مسرت سے دیکھ رہے ہیں کہ تمام ہند میں اس آفتاب عالمتاب کی شعائیں پھیلتی جا رہی ہیں۔ ہندوستان کے ہر صوبہ جات، اضلاع، قصبہ جات اور گاؤں گاؤں میں سنی علماء کرام اور مشائخ کے جلسے جلوس منعقد ہونے لگے ہیں، سنی مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق پر مل جل

کر سوچا جانے لگا ہے، نگر نگر سے اخبارات ہمیں بتا رہے ہیں کہ جس سرعت سے اس جمعیت عالم نے مسلمانوں کو اپنے دامن میں لے لیا وہ حقانیت کی بین دلیل ہے[1]۔

۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء میں صدر الافاضل ہی کی کوشش سے بنارس (بھارت) میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے چار روزہ تاریخی اجلاس ہوئے۔ اس کانفرنس میں پاک و ہند کے ۵ ہزار علماء و مشائخ اور ۶۰ ہزار دوسرے حاضرین شریک تھے۔ ''قرار داد پاکستان'' کی حمایت میں جو تجویز اتفاق رائے سے منظور ہوئی اس کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں:

مطالبہ تحریک پاکستان:

آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے، اوراب آل انڈیا سنی کانفرنس کو اپنے اس مطالبے سے کسی طرح بھی دست بردار ہونا منظور نہیں، خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں، تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لیے علماء مشائخ اہلسنت ہر ممکن اور ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ کے روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔

مطالبہ پاکستان کی حمایت واشاعت کے لیے صدر الافاضل نے ہندوستان اور پاکستان کے دور دراز علاقوں کا دورہ کیا۔ حتیٰ کہ مراد آباد سے بنگال تک تشریف لے گئے اور وہاں مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکی، جو آگے چل کر مشرقی پاکستان کی تعمیر و تشکیل میں معین و مددگار ثابت ہوئی۔ (۲)

(۱) تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۲۵ء۔۱۹۴۷ء، مولفہ مولانا جلال الدین احمد قادری

(۲) حیات صدر الافاضل بتصرف تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، مولفہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد

باب چہارم

تحریک پاکستان کا پہلا تعمیری قدم اور دو قومی نظریہ

﴿باب چہارم﴾

تحریک پاکستان کا پہلا تعمیری قدم اور دو قومی نظریہ

درحقیقت پاکستان کی تعمیری بنیاد گویا سب سے پہلے مسلمانان ہند کے لیے سیدی صدرالافاضل قدس سرہ نے اُس وقت رکھی جب مسلم لیگ نے دوقومی نظریہ کی بنیاد پر تحریک پاکستان کا نعرہ بلند کیا تو وہی لوگ اس نعرہ کے حامی ومددگار بنے، جو شروع سے ہی اس اختلاط وارتباط سے مجتنب تھے۔ علماء اہلسنت وجماعت کی مساعی جمیلہ تھی کہ پاکستان کی تحریک کے وقت نظریہ پاکستان کی صدق دل سے مسلمانوں نے متحدہ کوشش کی مگر اختلاط وارتباط کے حامی اور ہندوؤں کے ساتھ مخلوط کوشش کرنے والے خدا اور رسول کے باغی اور ملت کے غدار آخر وقت تک وطنیت پرستی کا ہی نعرہ لگاتے رہے اور آج بھی اس نظریہ کے داعی علماء نعرہ لگاتے رہتے ہیں۔

ملک کے اکابر واعظم علماء ومشائخ کرام کو نظریہ پاکستان کی پرزور حمایت اور ”سنی کانفرنس“ کی تنظیم واحیاء کے سلسلہ میں دن رات جھنجوڑا جاتا رہا۔ اس سلسلہ میں حضرت علامہ ابوالحسنات قدس سرہ سابق صدر ”پنجاب سنی کانفرنس“ کے نام حضرت قدس سرہ کے خطوط ملاحظہ فرمایئے اور آپ کی سیاسی بصیرت اور اولوالعزمی کو تو دیکھیے۔

صدر الافاضل اپنے مکتوبات کے تناظر میں

مکتوب گرامی نمبر ا:

حضرت مولانا المحترم اکرمکم الاکرم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حج وزیارت کی نعمتیں مبارک۔ تشریف آوری کی اطلاع کا منتظر ہی رہا۔ وقت پر خبر نہ ہو سکی۔ اب بھی دل آپ کے دیدار کا متقاضی ہے۔ سردی زیادہ ہے، تنفس کا مرض ہے، جس وقت بھی افاقہ ہوا اور موقع ملا آپ کے دید و برکات سے لطف اندوز ہونے کا قصد رکھتا ہوں۔ ملک بھر میں سنی کانفرنسیں قائم ہو گئیں اور ہو رہی ہیں، پنجاب سنی کانفرنس آپ کے ورودِ مسعود کے لیے چشم براہ تھی۔ دنیا میں تمام جماعتیں بیدار ہیں۔ کیا سنیوں ہی کی قسمت میں خوابِ غفلت ہے؟ امید یہ تھی کہ آپ حضرات کے اثر واقتدار سے پنجاب کی سنی کانفرنس تمام صوبوں پر فائق ہوگی، مگر ابھی تک جمود ہی نظر آرہا ہے۔

براہِ کرم چشمِ عنایت کو کام فرمائیے اور تھوڑا وقت اس دینی اہم خدمت کے لئے نذر کیجئے اور مولانا البرکات سید احمد صاحب سے سلام مسنون کے بعد یہی مضمون عرض کر دیجئے۔

والسلام

سید محمد نعیم الدین عفی عنہٗ

مکتوب گرامی نمبر۲:

عزیز محترم سلمہ،

دعواتِ دارین وسلام مسنون!

آپ کا خط مسرت خط ملا۔ ماشاء اللہ آپ کا جذبہ معلوم ہو کر نہایت خوشی ہوئی۔ آپ نے جمہوریت پنجاب قائم فرمائی۔ ''جزاکم المولی تعالیٰ'' آپ نے جو خط چھاپا ہے اس کی دو سو چار سو جس قدر کاپیاں آپ عنایت کرسکیں، فوراً بھیج دیجئے۔ دیوان صاحب اجمیر شریف کی تشریف آوری کا اندراج سہواً ہو گیا، اس کی اصلاح درکار ہے۔ استفسارات کے جواب ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

(۱) آل انڈیا سنی کانفرنس کا نام ''جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ'' ہے۔ یہ دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی: ایک ایوانِ عام، ایک ایوانِ علماء۔ ایوانِ علماء کا نام ''جمہوریت عالیہ'' ہے۔ آپ دستور اساسی طبع کرانے کے مجاز ہیں۔ اگر چھپوائیں تو ۲ ہزار یہاں کے لیے بھی چھپوالیں، مصارف ادا کیے جائیں گے۔

(۲) دستور پر نظر ثانی کر کے بعد اصلاح ارسال کیا جاتا ہے۔

(۳) روداد ابھی طبع نہیں ہوئی، مرتب کی جارہی ہیں۔

(۴) خطبہ استقبالیہ طبع ہو رہا ہے۔ صوبائی جمعیتیں اس کی جس قدر کاپیاں چاہیں گی، مناسب قیمت پر دی جائیں گی۔

(۵) ''پاکستان'' کی تجویز سے ''جمہوریت اسلامیہ'' کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں، خود جناح اس کے حامی رہیں۔ وزارتی مشن کی تجویز سے ہمارا مدعا حاصل نہیں ہوتا۔

(۶) روزانہ اخبار کی ضرورت ہے۔ ابھی اس کے لیے کوئی باہمت تیار نہیں ہوا۔

عزیزمن مولانا سیّد احمد صاحب سلمہ سے سلام مسنون فرمادیں۔ والسلام

سیّد محمد نعیم الدین عفی عنہ

مکتوب گرامی نمبر۳:

عزیز القدر سلمہ،

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا گرامی نامہ ملا پاکستان کو شرعی پابندیوں کے ساتھ وجود میں لانا کسی طرح قابلِ اعتراض نہیں ہوسکتا۔

سنی کانفرنس جلد قائم ہونی چاہیے تاکہ اس کے ماتحت اضلاع اور ان کے ماتحت مفصلات کی جمعیتیں قائم ہوسکیں۔ اور اس نظام کے بعد آل انڈیا سنی کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لیے موثر مساعی عمل لائی جاسکیں۔

الیکشن کے موقع پر کانگریس کے حق میں رائے دینے سے مسلمانوں کو روکنا بالکل بجا ہے اور اس میں کچھ بھی تامل نہیں، مگر اسے آگے قدم بڑھانے کی اجازت میں آپ کو نہیں دیتا، اور آگے بڑھنے میں ہمارے اپنے مفاد خلل پذیر ہوتے ہیں، جوش میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا مردانگی ہے۔

مولوی صاحب کے بچہ کو مولیٰ سبحانہ صحت عطا فرمائے، میں اس کے لیے دعا کرتا ہوں۔ براہِ کرم مجھے اس کی صحت سے مطلع فرمایئے۔ مولوی صاحب کا یہ فرمانا کہ لیگ کانگریس سے بدتر ہے، غلط بھی ہے اور بہت خطرناک بھی۔ اگر یہ کلمے کانگریسیون کے کان میں پہنچ جائیں تو وہ مسلمانوں کو آزار پہنچانے میں ان سے مدد

حاصل کر سکتے ہیں۔

دعا کرتا ہوں کہ حضرت کریم برحق، مولوی صاحب موصوف کی ذہنیت درست فرمادے، نہ وہ کسی کی سنتے ہیں، نہ کسی سے دریافت کرتے ہیں۔اپنی رائے کو خدا جانے کیا سمجھتے ہیں۔مولی سبحانہ حق کی ہدایت، ہمیں بھی اور انہیں بھی اور اپنے سب مسلمان بندوں کو، آمین والسلام۔

سیّد محمد نعیم الدین عفی عنہ

مکتوب گرامی نمبر۴:

عزیزی سلمہ

دعواتِ وافرہ وسلام مسنون،

فوری طور پر ایک اطلاع دے دی گئی تھی، جس میں نئی وبا کا علاج مقصود تھا۔ اس کی مکمل تجویز طبع شدہ آپ کے پاس خطبہ صدارت کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔آپ کے خیال میں جو راہ اختیار کی، وہ اس ماحول پر نظر کرتے ہوئے کچھ بعید نہیں ہے۔ جس میں اب تک آپ ہیں اور رائے جیسی بھی ہو، اس کا اظہار میرے نزدیک پسندیدہ ہے۔

سنی کانفرنس کے شرکاء کی تعداد کروڑ سے تو ضرور متجاوز ہو چکی ہے تو کیا آپ کی رائے میں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد میں کوئی بھی عقل ودماغ والا انسان نہیں؟ یہ اس میں علماء بھی ہیں، انگریزی داں بھی ہیں، وکلاء بھی، اگر سب طبقے ناکارہ ہیں، صرف چار ہی آدمی ایسے قابل ہیں جو سیاست کی گاڑی چلا سکیں، تب تو مسلمانوں کو صبر کر کے بیٹھ جانا چاہیے۔میرے نزدیک تو اللہ کے فضل سے مسلمانوں میں بہت

سے سمجھدار لوگ ہیں جو اس کام کو خوبی سے کر سکتے ہیں اور ان میں سے خود آپ بھی ہیں اس وقت جو کونسلیں حکمرانی کر رہی ہیں، ان کے ارکان پر نظر ڈالیے، کیسے کیسے بے علم ہیں اور آپ کے علماء میں بھی اللہ کے فضل سے ہر قابلیت کے لوگ موجود ہیں، یہاں تو مدعا ہی اور تھا۔ بہر حال آپ غور کر لیجیے، جو مضمون خط میں لکھا ہے، اگر آپ کی رائے میں مناسب ہو، تو تار کے ذریعہ سے بھیج دیجیے اور آپ کی ملاقات یقیناً فائدہ بخش اور ضروری ہے اور اس کی بہتر تدبیر یہ ہے کہ ۲۔۳۔۴ شعبان ۱۳۶۵ھ کو جامعہ نعیمیہ کے سالانہ جلسے ہیں، اور اس کے ساتھ سنی کانفرنس کے اجلاس بھی ہیں، حضرت محدث صاحب بھی تشریف فرما ہوں گے اور علماء بھی ہوں گے، آپ دونوں بھائی بھی تشریف لائیں تو بہت اچھا موقع گفتگو کا ملے گا۔ سفر خرچ تشریف آوری پر حاضر کیا جائے گا۔ والسلام۔

سیّد محمد نعیم الدین عفی عنہ

بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا انعقاد:

۱۹۴۶ میں ۲۷۔۲۹۔۳۰ اپریل کو بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے چار (۴) روزہ اجلاس منعقد ہوئے، جس میں غیر منقسم ملک کے تقریباً پانچ ہزار علماء و مشائخ نے شرکت فرمائی، اور عام اجلاس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ حاضرین کا اجتماع ہوتا تھا۔ ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں کے علماء مشائخ سمٹ کر وہاں نہ آ گئے ہوں۔ ان اجلاس میں مسلمانوں کو پاکستان کے قیام کے مقصد و غایت سے روشناس کرایا گیا۔ بنارس کا خطبہ استقبالیہ جو حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عظیم شاہکار ہے، جسے راقم الحروف نے ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور کے زیر اہتمام دوبارہ یہاں

شائع کرایا ہے، پڑھا گیا۔ پانچ ہزار علماء ومشائخ مندوبین کے اجتماع میں منظور شدہ قراردادوں کو اجتماع عام میں سنا جاتا رہا۔ تمام اہلِ بصیرت کا اس پر اتفاق ہے ہے کہ علماء ومشائخ کا اتنا عظیم اجتماع، پاک وہند میں کبھی چشمِ فلک نے نہیں دیکھا ہے۔

حضرت قدس سرہ نے اس اجلاس میں شرکت کے لیے لندن سے آیا ہوا اور وزارتی مشن کرپس وغیرہ کو بھی مدعو کیا تھا، لیکن عین اخیر وقت میں ملک میں گوناگوں مصروفیت کے باعث عدم شرکت کی معذوری کا تار بھیج دیا۔

اس عظیم الشان فقید المثال اجلاس میں حسبِ ذیل قرردا دیں باتفاق منظور کی گئیں۔

☆ قرارداد برائے تحریک پاکستان:

۱) آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء مشائخ اہل سنت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔

۲) یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کے لیے مکمل لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے حسبِ ذیل علماء کرام وفقہاء عظام پر مشتمل کی ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے:

۱۔ حضرت مولانا شاہ سیّد ابوالمحامد سیّد محمود صاحب محدث اعظم ہند کچھوچھوی

۲۔ حضرت صدرالافاضل استاذ العلماء مولانا مولوی محمد نعیم الدین مرادآبادی

۳۔ حضرت مفتی مولانا مولوی محمد امجد علی اعظمی صاحب

۴۔ حضرت مبلغ اعظم مولانا مولوی عبدالعلیم صاحب صدیقی میرٹھی

۵۔ حضرت مولانا مولوی عبدالحامد صاحب قادری بدایونی

۶۔ حضرت مولانا مولوی سیّد شاہ دیوان آلِ رسول علی خان صا ـب

ر بارہ نشین اجمیر شریف)

۷۔ حضرت مولان ابوالبرکات سیّد احمد صاحب لاہور

۸۔ حضرت مولانا شاہ قمرالدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف

۹۔ حضرت پیر سیّد شاہ عبدالرحمٰن صاحب بھرچونڈی شریف (سندھ)

۱۰۔ حضرت مولانا شاہ سیّد زین الحسنات صاحب مانکی شریف

۱۱۔ خان بہادر حاجی بخشی مصطفیٰ علی صاحب (مدراس)

۱۲۔ حضرت مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد صاحب (لاہور)

۳) یہ اجلاس کمیٹی کو اختیار دیتا ہے کہ مزید نمائندوں کا حسبِ ضرورت و مصلحت اضافہ کر لے، اور کمیٹی کیلئے یہ لازم ہوگا کہ اضافہ میں تمام صوبہ جات کے نمائندے لیے جائیں۔

☆ تعمیر پاکستان کے سلسلہ میں گاندھی کے پیروکاروں کی رخنہ اندازیاں:

تعمیر پاکستان کے دوران گاندھی کے اشارہ پر ان کے بڑے بڑے جبہ و دستار والے علماء نے ایک انوکھا اور اچھوتا نعرہ بلند کیا کہ ''ہندو مسلم دو قومیں نہیں ہیں، سب ایک بھارت کے پوت ہیں، ملت، وطنیت سے بنتی ہے۔ دونوں کا وطن بھارت ہے لہٰذا مسلم ملت کے وجود کو علیحدہ ثابت کر کے ملک کی تقسیم کرانا صحیح نہیں''۔

ڈاکٹر علامہ اقبال اس وقت بسترِ مرگ پر تھے اور فوری طور پر ایک قطعہ قلم بند کیا اور اس میں مولانا حسین احمد مدنی کے متعلق لکھتے ہیں:

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیو بند حسین احمد ایں چہ بو العجبی ست
سرود برسر منبر کہ ملت از وطن ست
چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی ست
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

بالآخر سنی علماء کی مساعی و ہمدردی، اور مسلم لیگ کے لیڈروں کی پامردی سے اسلام کے نام سے تعمیر پاکستان سے حصول پاکستان تک بڑھے۔

☆مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کی وجہ:

حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آنا، علما کی شان کے لائق نہ سمجھا لیکن علماء نے مسلم لیگ کے حریفوں کا سرگرمی کے ساتھ مقابلہ کیا اور یہ مسلم لیگ پر کوئی احسان نہیں بلکہ ہمارا نقطہ نظر شروع سے ہی اسلامی تعیمات کے ماتحت تھا۔ اس جماعت نے ہر دور میں کبھی غیر مسلموں پر اعتماد بھروسہ نہیں کیا۔ اب جو ایک قدم مسلم لیگ نے قرآن وسنت اور اس کے اسلامی احکام کے تنفیذ وترویج کا بیڑا اٹھایا تو علماء اہلسنّت نے اسلام کی سربلندی کے لیے مسلم لیگ کے حریفوں کا مقابلہ کیا اور ان تمام بذلہ خواروں کو جنہوں نے پہلے سلطنت مغلیہ کے دور میں انگریزوں کی ہمنوائی میں بڑی بڑی رشوتیں لیں،

جس کے صلہ میں "شمس العلماء"، خان بہادر وغیرہ کے خطابات وصول کئے، جاگیریں لیں اور وہی سب ہندوؤں کے ٹکڑوں پر بک کر مسلمانوں کی پشت پر چھرا مارنے کا کام سرانجام دے رہے ہیں، علماء اہلسنّت نے ان کا پردہ فاش کیا لیکن ان سب ہنگامہ رست وخیز میں مسلم لیگ نے جہاں ملک کی تقسیم کا فرض بخوبی سرانجام دیا وہاں چند فاش غلطیاں بھی کیں جس کی بنا پر بقول مولانا حسرت موہانی "لنگڑا پاکستان" بنا۔[1]

مسلم لیگ کی سیاسی غلطیوں سے پاکستان کا نقصان:

مسلم لیگ کی سیاسی غلطیوں سے پاکستان کو نقصان ہوا اور مسئلہ کشمیر جنم لیا۔

حضرت صدرالافاضل فرماتے ہیں کہ ان اغلاط میں سے مندرجہ ذیل معروف ہیں:

۱) پہلی غلطی یہ کہ دوصوبوں کے بعد المشرقین کے اتصال کیلئے بری (خشکی) راستہ اپنے نصب العین میں شامل نہیں کیا گیا۔ جب حضرت قدس سرہ اور سنی کانفرنس کی طرف سے شدت کے ساتھ مطالبہ کیا گیا تو تو آخر وقت میں مسٹر جناح نے مطالبہ میں شامل کیا مگر وہ بعد از وقت تھا۔

۲) دوسری غلطی یہ کہ مسلم اکثریت کے دو عظیم صوبوں کی اندرونی تقسیم گوارا کر لی گئی، جس کی بناپ پر ۱۹۴۷ء کے ہوش رُبا قیامت خیز خونریزی عصمت دری اور بے پناہ تبادلہ آبادی کی نوبت آئی جس سے پاکستان غایت درجہ کمزور ہوگیا، اور اسی کی بدولت کشمیر کا مسئلہ پیش آیا۔

۳) تیسری سب سے بڑی اور اہم غلطی یہ کہ آنکھ بند کر کے "ریڈکلف" پر اعتماد

---

(۱) یہی بات دوسرے علماء برصغیر بھی بیان کرتے ہیں۔ (نوری)

کیا گیا اور یہ نہ سوچا گیا کہ تاریخ میں کبھی انگریز، مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں رہا تو اب کیسے رہے گا؟ وہ اصول وانصاف کو مدنظر رکھ کر خط مستقیم کیسے کھینچ سکے گا؟ اور اس میں کوئی چور دروازہ نہیں چھوڑے گا، جس سے کبھی مسلمان چین سے نہ بیٹھ سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کپورتھلہ جیسی مسلم اکثریت کی ریاست ہی نہیں بلکہ مالیر کوٹلہ وغیرہ بھی انڈیا کو دے دیا۔ پھر لطف یہ کہ ہندو نوازی میں بعض تحصیلوں میں سے ان دیہاتوں کو بھی جن میں غیر مسلم تھے کاٹ کر انڈیا سے ملا دیا۔ حیدر آباد جونا گڑھ، مانادو وغیرہ کے ساتھ جو بے انصافی کر کے ہندوؤں کے سپرد کیا، وہ سراسر انصاف کا خون ہے۔ اسی نے کشمیر کو ہم سے دور کیا، حالانکہ عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں کشمیر بہر حال ہمارا ہے۔

۴) چوتھی غلطی یہ کہ مسلم لیگ نے قائد اعظم کو مملکت کا گورنر بنایا حالانکہ بہتر یہ تھا کہ قائد اعظم کو کسی قانونی شکنجہ میں پھا[illegible] بجائے انہیں صرف ملت کا معتمد علیہ اور ان کو لیڈر کی حیثیت سے رکھا جاتا، چنانچہ اس کا نتیجہ ہے کہ لیڈرشپ حکومت کی باندی وغلام بن کر رہ گئی اور ملک کے عوام اور حکومت میں کافی کشیدگی اور بعد المشرقین ہوگئی۔ عوام بہت جلد ایسی حکومت سے بیزار ہوگئے جو لیڈری سے سربراہی پر پہنچے۔ یہ وہ حقائق ہیں جن سے تاریخ کبھی بھلا نہیں سکتی[1]۔ اور آج تک پاکستانی عوام مذکورہ بالا اغلاط کے بُرے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے یہ ہے وہ دور اندیشانہ سیاست جو اس وقت کے بڑے بڑے زعماء مسلمین نہ سمجھ سکے۔ اور ان کی غلطیوں سے آج تک پاکستان قوم بحیثیت قوم سرنگوں نہ ہوسکی۔ یہ ہے علماء کی دور اندیشی پھر بھی بعض نادان یہ کہتے پھرتے ہیں کہ علماء کو سیاست نہیں آتی۔ (نوری)

---

(۱) حیات صدر الافاضل۔ ص ۱۹۳

قیامِ پاکستان کے بعد صدر الافاضل کا ورودِ پاکستان

۱۹۴۸ء میں حضرت صدر الافاضل بہ معیت حضرت محدث اعظم ہند ابو المحامد سیّد محمد الجیلانی الاشرفی کچھوچھوی صدر آل انڈیا سنی کانفرنس، حضرت تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی، نائب ناظم آل انڈیا سنی کانفرنس، اور مولانا غلام معین الدین نعیمی منصرم آل انڈیا سنی کانفرنس، قیام پاکستان کے بعد کانفرنس کی قرارداد کے بموجب دہلی سے بذریعہ ہوائی جہاز مارچ کے مہینے لاہور مغربی پاکستان تشریف لائے، یہاں اسلامی دستورِ پاکستان کے سلسلہ میں مقامی علماء وزعماء سے اسی سلسلہ میں گفتگوئیں ہوئی اور مرکزی وزراء سے مقامی علماء نے اسلامی دستور کے سلسلہ میں متعدد ملاقاتیں کیں۔ بالآخر یہ طے پایا کہ پاکستان کیلئے ''اسلامی دستور'' کا خاکہ اسلامی اصول اور ضوابط کے تحت حضرت صدر الافاضل قدس سرہ مرتب فرمائیں گے اور پاکستان میں موجود علماء پاکستان کی قومی اسمبلی سے یہ آئین منظور کرائیں گے۔

چنانچہ حضرت صدر الافاضل نے اس کا وعدہ فرمایا کہ میں مراد آباد واپس جاکر پاکستان کے لیے ''اسلامی دستور'' مرتب کر کے بھیج دوں گا مگر مشیت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ حضرت صدر الافاضل دراصل اپنے قیام کراچی کے دوران قیام میں ہی سخت علیل ہوگئے تھے اور اپنا قیام مختصر کر کے لاہور واپس تشریف لائے تھے۔ تقریباً ایک ہفتہ مدرسہ حزب الاحناف دہلی دروازہ لاہور میں صاحبِ فراش رہے جب حالت زیادہ خراب ہوگئی اور رُوبا صلاح کی صورت نظر نہ آئی تو آپ نے فوری طور پر مراد آباد واپسی کا ارادہ فرمایا۔ اتفاق سے ایک اسپیشل ہوائی جہاز دہلی جارہا تھا۔

اس میں نشستیں ریزرو کرائی گئیں۔ حضرت قدس سرہ کی حالت دیکھ کر تمام لوگ چشم پرنم تھے اور ہر ایک یہ خیال کر رہا تھا کہ اب یہ نورانی صورت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہم سے رخصت ہو رہی ہے۔

غرض یہ کہ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے مراد آباد پہنچنے کے بعد علالت کے باوجود پاکستان کے علماء و زعماء سے کیے گئے ''اسلامی دستور'' کی تدوین و ترتیب کے وعدے کے ایفاء کا عزم صمیم فرمایا۔ مختلف ممالک اسلامیہ اور ترکی خلافتِ عثمانیہ کے دساتیر و قوانین کی کتابیں جمع فرمائیں، اور پاکستان کے لیے ''اسلامی دستور'' کے خاکہ کے لیے ذیل کے چند دفعات رقم فرمائے جو کہ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کے اپنے دستِ مبارک کے تحریر کردہ ہیں اور اصل تحریر دفتر السواد الاعظم لاہور میں محفوظ ہے۔

بسمِ اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ

وعلی آلہ وصحبہ ومن اتبعہ ووالاہ.

تعریف، اغراض ومقاصد:

آل انڈیا سنی کانفرنس کی تصریحات کے مطابق پاکستان سے وہ آزاد اسلامی حکومت مراد ہے، جو ہندوستان کے اندر شریعت طاہرہ کے مطابق فقہی اصول پر قائم کی جائے:

۱۔ اس حکومت کا فرمانروا ایک سنی امیر ہوگا۔

۲۔ اس امیر کو مسلمانانِ اہلِ سُنّت کی اکثریت منتخب کرے گی۔

۳۔ وہ امیر دیندار ،ور مدبر اہل اسلام کی ایک جماعت کا شوریٰ کے لئے منتخب کرے گا۔

۴۔ جماعتِ شوریٰ، امیر کی ماتحت ہوگی۔

۵۔ جماعتِ شوریٰ کی تجاویز امیر کی منظوری کے بعد مکمل سمجھی جائیں گی۔

۶۔ امیر، جماعت شوریٰ کے مشورہ سے ایک وزیراعظم کا انتخاب کرے گا۔

۷۔ یہ وزیر جملہ امور داخلہ وخارجہ کے نظم ونگرانی کا کفیل ہوگا۔

۸۔ وزیر اعظم محکمہ جات سلطنت کے لیے جُدا جُدا وزیر نامزد کر کے امیر سے منظوری حاصل کرے گا۔

۹۔ امیر کی منظوری کے بعد یہ وزراء اپنے اپنے محکمہ کا کام ہاتھ میں لیں گے اور حسب ضرورت عہدہ دار اور محکمے مقرر کریں گے۔

۱۰۔ محصولات، شرع کے مطابق فقہ کی رہنمائی سے مقرر کیے جائیں گے۔

۱۱۔ غیر مسلم رعایا کو معاہد بنایا جائے گا اور انہیں امان دی جائے گی۔ اور ان کے جان ومال کی حفاظت حکومت کے ذمہ ہوگی۔

حضرت صدر الافاضل قدس سرہ پاکستان کے لیے ''اسلامی دستور'' کے سلسلہ میں مذکورہ گیارہ دفعات ہی لکھنے پائے تھے کہ علالت نے غلبہ کیا، یہاں تک کہ ۲۳؍اکتوبر ۱۹۴۸ء میں اس جہانِ فانی سے عالم بقا کی جانب رحلت فرما گئے اور یہ دستوری خاکہ مرتب نہ فرما سکے۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو مولانا شاہ محمد عبدالعلیم الصدیقی میرٹھی (المدفون مدینہ۔منورہ) خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی قیام گاہ صدر کراچی میں پاکستان

کے علماء و مشائخ بالخصوص علامہ شاہ محمد عبدالحامد بدایونی مولانا شاہ مفتی محمد صاحب داد خان صاحب مدرس مدرسہ سندھ کراچی، مولانا، شاہ محمد عبدالرحمٰن صاحب پیر بھور چنڈی شریف سندھ پیر غلام مجدد آغا نقشبندی سندھ، پیر صاحب مانکی شریف سرحد، حضرت خواجہ غلام قمر الدین سیالوی علیہم الرحمٰن کی بعثت میں ایک وفد حضرت قائد اعظم محمد علی جناح سے کراچی میں ملا اور حضرت صدر الافاضل اور حضرت محدث اعظم ہند علیہما الرحمہ کے مرتبہ مسودہ قانون کو پیش نظر رکھتے ہوئے مزید آراء کو شامل کیا گیا۔ اور بانی پاکستان محمد علی جناح کی خدمت میں پیش کیا گیا قائد اعظم نے بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے آپ اور علماء اہلسنّت و مشائخ کو یقین دلایا کہ یہ مسودہ قانون آئندہ منعقدہ قومی اسمبلی کے اجلاس میں پیش کیا جائے گا اور منظوری لے کر اس کو نافذ کرایا جائے گا، لیکن افسوس کہ حضرت قائد اعظم بھی اسمبلی کے اجلاس سے پہلے ہی رحلت فرما گئے۔ اور اپنا وعدہ ایفاء نہ کر سکے[1] اور آج ۵۷ سال ہو گئے آج تک پاکستان اسلامی آئین سے محروم ہو کر بھی زندہ ہے۔[2] اور علماء اہلسنّت و مشائخ بھی اپنی

---

(۱) خصوصی مجلہ عظیم مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ محمد عبدالعلیم الصدیقی المیرٹھی المدنی (المتوفی ۲۲ راگست ۱۹۵۶ء مطابق ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ) نمبر ص ۱۵۶، ۱۳ ستمبر ۲۰۰۲ء

(۲) الحمدللہ ۱۹۷۳ء میں پاکستان کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے عہد میں تدوین آئین پاکستان ترتیب دیا گیا۔ پاکستان کی مشہور سیاسی جماعتوں کے سربراہوں نے اس میں حصہ لیا، اس آئینی مجلس میں بطور ماہرین کے اہلسنّت و جماعت کے ممتاز علماء کرام جن میں حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدر جمعیۃ علماء پاکستان، علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، علامہ محمد علی رضوی الوری، علامہ ڈاکٹر جھنگ وغیرھم نے نمایاں حصہ لیا، اور پہلی دفعہ پاکستان آئین میں قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا، پاکستان کو ایک اسلامی جمہوری ملک کا نام دلوایا اور بہت سارے دفعات شامل کرائے جس سے قوم کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ (نوری)

جدو جہد و سعی مسلسل میں ان باطل قوتوں سے نبرد آزما ہیں جو یہ نہیں چاہتے کہ پاکستان میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہو، اور اب تو بڑے وسیع پیمانے پر مجلات واخبارات اور پاکستانی میڈیا سے پاکستان کے بعض لیڈر دوقومی نظریہ کی تضحیک وابطال میں سر گرداں و پیش پیش نظر آتے ہیں۔ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے بجائے جمہوریہ پاکستان کے لیے محرک ہیں۔ حجابِ اسلام کا مذاق اڑایا جارہا ہے پاکستانی پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ ہی ختم کر دیا گیا ہے۔ دینی مدارس اور مساجد کے خلاف سرکاری ذرائع ابلاغ پر پروپگنڈہ کیا جارہا ہے کہ ان میں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے، اللہ اکبر تاہم راقم الحروف کو یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو دشمنوں کی سازشوں اور مکروفریب سے محفوظ و مامون رکھے گا اور علماء ومشائخ کی قربانیاں ضرور رنگ لائیں گی۔ انشاء اللہ (نوری غفرلہ)

دعوتِ عمل

آپ ایک اور جگہ ''دعوت عمل'' کے عنوان سے تحریر کرتے ہوئے علماء کرام ومشائخ کو بالخصوص اور مسلمانوں کو بالعموم، خواب غفلت سے بیدا کر رہے ہیں اور علماء ومشائخ کو یہ بتا رہے ہی کہ انہیں سیاست حاضرہ میں کردار ادا کرنا کس قدر اہم ضروری ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

علماء کو اسمبلیوں میں جانا کیوں ضروری ہے؟

علماء دین و پیشوایان اسلام! اب آپ قدم اٹھائیں، گوشہ تنہائی سے نکلیں، اس لئے نہیں کہ آپ کو جاہ ملے، منصب ملے، اس لئے نہیں کہ آپ حکومت کا مزہ حاصل کریں، فقط اس لئے کہ دین کی حفاظت ہو، اسلام اور مسلمانوں کے

مفاد کے خلاف پیش ہونے والی تجاویز کو روک سکی، اور مسلمانوں کے مستقبل کو خطرے سے محفوظ رکھ سکیں، جو قانون ایک دفعہ پاس ہو جاتا ہے، پھر اس کے خلاف کامیابی حاصل کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے، اگر اسمبلی میں علماء کا بھی کوئی عنصر ہوتا تو ''ساردا کا قانون'' پاس نہ ہو سکتا تھا اور مسلمانوں کے ممبر پہلے روز بیدار کر دیئے جاتے، لیکن قانون پاس ہونے کے بعد جو کوشش کی گئیں وہ اس وقت تک نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں، طبقہ علماء کا سیاسیات اور ملکی نظم وضبط کی طرف سے اغماض کرنا، مسلمانوں کو بہت سخت ضرر پہنچتا ہے، اس وقت حکومت ہند ''گول میز کانفرنس'' اجلاس کر رہی ہے، ہندوستان کے لئے دستور حکومت تجویز ہے، ہر فرقے کے نمائندے وہاں پہنچ گئے ہیں، سب نے اپنے اپنے مطالبات کا ایک ایک مسودہ مرتب کر لیا ہے، ہر ایک اپنے اپنے مقاصد کا ایک ایک نقشہ نظر کے سامنے رکھتا ہے، لیکن ہمیں شکایت ہے اور بجا شکایت ہے کہ ہمارے طبقہ علماء اہلسنّت اور مشائخ نے آج تک اس کی طرف التفات ہی نہیں کیا، جو جو مسودے تجویز ہوئے ان پر نہ نظر ڈالی اور نہ دیکھا کہ اسلام اور مسلمانوں پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے؟ اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کی فلاح اور مذہب کی حفظ اور حرمت کے لئے کیا کیا امور ضروری ہیں؟ جن کا موجودہ تجویزوں میں اضافہ ہونا چاہئے اور کون کون سی چیزیں ہماری نظر میں قابل احتراز ہیں جن کی مدافعت لازم ہے؟ ہندوستان کا تمام طبقۂ علماء اس سرے سے اس سرے تک ساکت وخاموش ہے، انہوں نے اس پر نظر ہی نہیں ڈالی کہ کیا حیثیت دین سے یہ کوئی ضروری امر نہیں ہے؟ گزشتہ کو چھوڑیئے خدارا آئندہ کے لئے ہی مستعد ہو جایئے اور جلد تر ایک نظر ڈالئے کہ دنیا کیا کر رہی ہے؟ اور مسلمانوں کے مستقبل کے لئے کیا تجویزیں درپیش ہیں، ان کے کیا نتائج ہوں گے؟ ضروریات کا اقتضا کیا ہے؟ پہلے جو کچھ رائے ہو اس سے ایک اجتماعی شکل میں اپنے نمائندوں

کو باخبر کیجئے، پچھلی غفلت قابل افسوس ہے، لیکن ابھی اور غفلت رہی تو کام قبضے سے باہر ہو جائے گا، جس طرح ممکن ہے صورت حالات پر اطلاع پانے کے بعد ایک مسودہ تجاویز مرتب کی جائے اور خواہ جلسوں میں یا ڈاک کے ذریعے سے اس پر دوسرے علماء کی رائیں حاصل کر کے ایک نقشہ عمل مرتب فرمایئے اور ممبران کونسل کو جس امر میں توجہ دلانے کی ضرورت ہو انہیں زور کے ساتھ توجہ دلایئے۔ یہ بھی دیکھیئے کہ ڈسٹرکٹ اور میونسپل بورڈون میں کیا ہورہا ہے؟ آپ کو جلد سے جلد مستعد ہو جانا چاہئے اور اگر سنی جمعیت العلماء اس طرح عمل میں آ گئی تو ان شاء اللہ العزیز اسلام اور مسلمین کی بہت بڑی حمایت ہو سکے گی، ستم ہے کہ جاہل عالم بن کر میدان میں آئیں اور ان کی تعداد سے دنیا کو دھوکہ دیا جائے اور ان کی خودستائی و نفس پرستی کو علماء کی رائے قرار دیا جائے اور علماء کو پورا طبقہ کا طبقہ ساکت و خاموش بیٹھا یہ سب کچھ نہ دیکھے نہ اس کے منہ میں زبان ہو، نہ زبان میں حرکت ہو، نہ ہاتھ میں قلم، نہ قلم میں جنبش، اب آپ کا یہ تقاعد زہد انکسار کی حد سے گزر کر غفلت و کسل کے دائرے میں آ گیا ہے اور اس اندازِ سکوت سے اسلام و مسلمانوں کو جو نقصان پہنچ رہا ہے، شاید آپ کو اس کا اندازہ نہیں۔ اب آپ اس عقیدے کو چھوڑ دیجئے کہ آپ کے فرائض ایک مجلس میں وعظ کہہ کر، ایک حلقہ میں درس دے کر، یا خلوت خانہ میں فتویٰ لکھ کر ادا ہو جاتے ہیں، اور آپ کو اس پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے؟ اور بدخواہِ اسلام تخریب کے لئے کیا تدابیر عمل میں لا رہے ہیں؟ یقیناً یہ آپ کا فرض ہے اور آپ سے بروزِ حشر اس کے متعلق سوال کیا جائے گا، اٹھیے، اٹھیے اور اپنے فرض کو ادا کیجئے۔(۱)

---

(۱) ماہنامہ ''السواد الاعظم'' شمارہ رجب المرجب ۱۳۴۹ھ، ص ۴

جب حقیقت کی نظر سے ہم ماہنامہ ''السواد الاعظم'' کے اس عنوان پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام اہلسنت اعلیٰ حضرت بریلوی کی طرح ایک بے مثال سیاسی بصیرت سے بہرور تھے اور ایسی سیاسی بصیرت ان کے معاصر مسلمان قائدین میں بھی ناپید تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ حال کے ساتھ ساتھ ماضی پر بھی نظر رکھتے تھے اور آپ ایک باخبر، باریک بین اور دوراندیش عالم دین و سیاست دان تھے، آیئے ماضی و حال کے تناظر میں ان کے ایک اور سیاسی تاثرات کا مختصر جائزہ لیں۔

آپ لکھتے ہیں کہ:

''ہندو مورخوں کی یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کر کے ایسا بنا دیا جائے کہ پڑھنے والا نفرت کرنے لگے اور تابناک ماضی نہایت گھناؤنا نظر آنے لگے، اسی قسم کی ایک کوشش پنڈت ''شیام لال'' نے مختصر تاریخ اہل ہند مطبوعہ متھرا میں کی تھی، جس کا تعاقب کرتے ہوئے، حضرت صدر الافاضل نے تاریخی حقائق و شواہد سے ہندو ذہنیت کا خوب آشکارا ایک اور ساتھ ہی تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا تھا:

''دنیا کے مذاہب پر نظر ڈالنے سے اسلام کے سوا اور کوئی مذہب ایسا نہیں معلوم ہوتا جو دریا دلی سے انسانی عزت دے سکے، اسلام بے شک اپنے پیروؤں کو بے دریغ عزت دیتا ہے، قومی اور نسلی تفرقوں کو مٹا کر یکجہتی یگانگت اور لطف کا مزہ اسلام ہی میں ملتا ہے، آج ایک شودر اسلام لا کر شیخ معزز لقب پا سکتا ہے اور بڑے بڑے خاندانی مسلمانوں کے ساتھ ایک دستر خوان پر بلکہ ایک پیالہ میں پانی پی اور کھانا کھا سکتا ہے۔

پھر آپ لکھتے ہیں کہ:

"آپ کو معلوم ہے کہ آج دیار ہند میں غریب الوطن اسلام کو کن مشکلات کا سامنا پڑ رہا ہے، اور پردیس میں اس کو کیسی کیسی دشواریاں پیش آئیں ہیں؟ یہ غریب ہر طرف سے دشمنوں کے سفاکانہ حملوں کا نشانہ بن رہا ہے اس کو ہر فرقہ گروہ آزاد دینے کے لئے ہر وقت مستعد رہتا ہے، جلسوں میں بازاروں میں، پرچوں، رسالوں اخباروں میں، ہر طرح ہر وقت بے موقع بے محل اس پر بہتان اڑائے جاتے ہیں اور اس کی دل آزاری اور ایذارسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاست نہیں کیا جاتا، ایسے ایسے مذاہب جن کو تہذیب ومتانت سے کوئی واسطہ ہیں آج اسلام کے منہ آرہے ہیں۔

خار اور گل پہ ہنسے وہ خدا کی قدرت
زاغ بلبل پہ ہنسے واہ خدا کی قدرت

ان زوال پذیر حالات میں اہلسنّت کی بے حسی کو دیکھ کر حضرت صدر الافاضل کو افسوس ہوتا تھا، چنانچہ انہوں نے بار بار اہلسنّت کو بیدار کرنے کی کوشش فرمائی اور دوسروں کی مثالیں دے دے کر انہیں غیرت دلائی۔ چنانچہ ایک جگہ ہمت افزائی کرتے ہوئے یہ تحریر فرماتے ہیں:

بیداری اہلسنّت اور صدر الافاضل:

پھر سب کے حملے اہلسنت پر ہی کیوں ہیں؟ کہ یہی بڑا گروہ ہے، اس کے پاس عظیم سرمایہ ہے، اس وقت الحمد للہ مسلمانوں کے تمام تر فرقوں کے مجموعوں سے اہلسنّت ہی تعداد میں زیادہ ہیں اور جو کوئی حملہ آور ہوتا ہے انہیں پر، مگر افسوس کہ

اہلسنّت کی آرام وراحت والی رات ابھی ختم نہیں ہوئی، ان کی صبح ابھی نہیں چمکی، ان کی قسمت کا ستارہ اب تک اوج پر نہیں آیا، یہ آج تک اسی غفلت میں ہیں"۔

(ماہنامہ السوادالاعظم جمادی الآخر ۱۳۴۹ھ)

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بالکل صاف صاف عیاں اور ظاہر ہے کہ حضرت صدرالافاضل مسلمانوں کے عروج وزوال اور ہندوستان میں ان کی غفلت و بے حسی خصوصاً اہلسنّت کی بے حسی کا شدید احساس رکھتے تھے اور وہ یہ مشن لے کر اٹھے تھے کہ ہمیں سواد اعظم یعنی اہلسنّت وجماعت کو ہر صورت جگانا ہے اور اس میں شک نہیں کہ آپ اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے۔

آپ ایک مرتبہ علماء سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ اگر آپ علومِ دینیہ سے متعلق ہوگا تو آپ ان مقاصد کی طرف چل پڑیں گے، جن کی طرف آپ رہنمائی کرتے ہیں جب ان پھولوں کی خوشبو آپ میں بس جائے گی تو آپ کے پسینہ کا ہر قطرہ ہزار چمن زاروں کو شرما دے گا۔ آپ کے افعال واعمال اور طریقۂ زندگی میں اسلام کے جلوے نمودار ہوں گے۔

آپ شریعت طاہرہ کے ہاتھ میں اپنا اور اپنے گھر کا انتظام دیجئے، کسب معاش اور مصارف میں اس کی منشاء کے مطابق عمل کیجئے پھر دیکھئے کہ آپ کے مشکلات کیسے کافور ہوتے جاتے ہیں؟ اور آپ کی باہمی محبت وارتباط میں ایسا ارتباط ہوتا ہے جس سے زندگی کا لطف آجائے۔

حضرت صدرالافاضل فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ کہا محض نظری نہیں بلکہ میری عملی زندگی سے اس کا پورا پورا تعلق ہے۔

ماہنامہ السوادالاعظم سے یہاں ایک دو مزید مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ دین دار طبقہ دنیا داری کے مقابلے میں کتنا مخلص تھا؟

خواجہ حسن نظامی کو جواب:

''سارد ابل'' پیش ہوا تو علماء حق نے اس کی شدید تر مخالفت فرمائی تھی، اس پر خواجہ حسن نظامی نے طنزاً کہا تھا کہ خود غرض ''ملا'' لالچی اس قانون کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ اس پر حضرت صدرالافاضل نے اس طنز کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ علماء کے طرز عمل سے آپ اس قدر ناواقف کیوں ہیں؟ آپ کو خبر نہیں کہ مسائل بتانے اور فتوے لکھنے پر علماء دین کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔

خواجہ صاحب!

دین داروں کے اخلاص کا عالم آپ دیکھ چکے، اب دنیا داروں کی خود غرضیوں کا بھی تو عالم دیکھئے، انتخابات کے وقت ان حضرات کی وارفتگی وسراسیمگی قابل دیدنی ہوتی ہے۔

ملت کے لئے، قوم کے لئے، اپنے اعزہ واقارب کے لئے، اس کا ہزاروں درجہ بھی محنت کوشش نہ ہوگی، جو ووٹ حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے، ہر شخص کی خوشامد ہے، سفارشیں لائی جارہی ہیں، روپے صرف کررہے ہیں، رات دن دوڑے پھر رہے ہیں، مقابل اگر کوئی دوست ہے تو پاس دستی نہیں، اگر کوئی عزیز ہے تو پروائے قربت نہیں، خانہ مروت کو پہلے ہی آگ لگادی جاتی ہے، اس بات پر نظر نہیں کہ دوسرا مجھ سے زیادہ لائق ہے، زیادہ تجربہ کار ہے، کام کا زیادہ اہل ہے، قوم

کو اس سے نفع پہنچنے کی امید ہے، اس لئے اس کے واسطے جگہ خالی کر دیں یہ کہاں؟
...... پمفلٹ بازی ہوتی ہے اور واقعی اور غیر واقعی مصائب کے طور پر اخبارات شائع
کے ایک عزت دار آدمی مطعون کیا جاتا ہے، حرص جاہ کا یہ جوش راست سازی و
راست پسندی اور انسانی شرافت کو فنا کر دیتا ہے، اور آدمی دوسروں کی خوبیوں سے
دیدہ دانستہ منکر ہو کر خود ستائی کرتا پھرتا ہے، کرایہ کے مداح تلاش کیئے جاتے ہیں اور
طبقۂ علماء کی نسبت تو انہوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ یہ سیاسیات سے محض نابلد ہوتے
ہیں اور ان کو نظم و نسق کے کسی کام میں دخل دینا بھی نہ چاہئے یہ بھی اس جذبہ حرص و جاہ
اور شوق جاہ کا ایک چٹکلا ہے کہ علم و فضل والا طبقہ اگر اس طرف متوجہ ہو گیا تو بہت سی
نشستیں لے جائے گا اور یار لوگوں کے لئے کرسیاں کم رہ جائیں کا دماغ بہترین
معلومات سے روشن ہو رہا ہے، اگر وہ دنیاوی انتظام کی طرف اپنی توجہ منعطف کرے
تو بے کوفت و کلفت ان سے بدرجہاں بہتر کام انجام دے سکتا ہے، مگر وہ طبقہ
انکسار، تواضع ایثار کا عادی ہے، خود نمائی اور جاہ طلبی سے متنفر ہے، اس لئے کبھی اس
میدان میں قدم نہیں رکھتا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ملکی قیادت کا اہل نہیں۔

مندرجہ بالا اقتباس میں صدر الافاضل (علیہ الرحمۃ) نے اہل ظاہر یعنی
دنیادار اور اہل باطن یعنی علماء کے سیاسی طرز عمل کو کسی امور خانہ دیانت داری اور
حقیقت پسندانہ انداز میں بیان فرمایا ہے اور نظامی صاحب اور ان جیسے لوگوں کو بھی
اچھی طرح سمجھا دیا ہے، واضح رہے کہ ہر دور میں ملکی سطح پر علماء اہلسنت، شریعت
اسلامیہ کے نفاذ کیلئے اسی وجہ سے کوشاں رہے ہیں کہ اس دنیا و دین، دونوں ہی
سنور جاتے ہیں اور اسی مقصد عظمیٰ کو حاصل کرنے کیلئے حصول پاکستان کیلئے علماء و

مشائخ کی طرف سے انتھک جدو جہد کی گئی اور بالآخر اس مقصد کو پالیا گیا، لیکن جس مقصد اور جس نظریہ کے تحت اس ملک کو حاصل کیا گیا تھا اس کی چنداں حفاظت نہ کی گئی، حالانکہ نظریاتی مملکتوں میں نظریہ کی حفاظت اور نشوونما اساسی حیثیت رکھتی ہے!

(نوری غفرلہ)

سنی کانفرنس سے جمعیت علماء پاکستان میں تبدیلی کے اسباب و وجوہات

۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم ہو جانے کے بعد دونوں کی حکومتوں میں باہمی بداعتمادی کا ہونا چونکہ فطری امر تھا اور اگر سنی کانفرنس کی تنظیم کو دونوں ملکوں میں اپنے اپنے حال پر قائم رکھا جاتا، تو تنظیم کے لیے گوناگوں خدشات و مشکلات تھے اور یقیناً دونوں ملک تشویش کی نظر سے دیکھتے۔ اس لیے پاکستان میں مارچ ۱۹۴۸ء کو مدرسہ انوار العلوم ملتان میں علماء و مشائخ اہلسنت کا ایک اجتماع منعقد ہوا۔ مقالات سعیدی جلد دوم میں اجتماع کی غرض و غایت اور قیام پاکستان کے بعد سنی مسلمانوں پر ہونے والے مصائب و مشکلات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور حضرت علامہ احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کا ایک طویل خطبۂ استقبالیہ بھی شامل کیا گیا ہے، جس میں اُن واقعات کا بھی ذکر ہے جو تشکیل جمعیۃ العلماء پاکستان کے حوالے سے ابھر کر سامنے آئے تھے اور علامہ الکاظمی علیہ الرحمہ کو اپنے ہی رفیقوں کے تیر و تفنگ اور غلط الزامات سے نبرد آزما ہونا پڑا تھا اور بہت بحث و تمحیص کے بعد سنی کانفرنس کا نام بدل کر "جمعیۃ العلماء پاکستان" رکھ دیا گیا اور حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب سابق صدر پنجاب

سنی کانفرنس کو مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان کا صدر اور حضرت علامہ مولانا سید احمد سعید صاحب کاظمی (شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان) کو ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان نامزد کیا گیا۔ اس طرح پاکستان میں ''سنی کانفرنس'' کی تنظیم ''جمعیۃ العلماء پاکستان'' کے نام سے موسوم ہوگئی۔[1]

(۱) بروایت علامہ الحاج ڈاکٹر سید محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی امیر حلقہ اشرفیہ پاکستان (نوری)

باب پنجم

صدر الافاضل کے لمحاتِ آخر

باب پنجم

صدرالافاضل کے لمحاتِ آخر

آپ کے خلیفہ اور شاگرد مولانا معین الدین نعیمی (۱) تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت قدس سرہ کی آغوش رحمت وشفقت میں پرورش پائی میرے والد ماجد صوفی صابر اللہ شاہ صاحب مراد آبادی حضرت اقدس سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے تھے اور کوئی بھی خانگی امر حضرت سے مخفی نہ تھا۔کوئی بیمار ہو، یا کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہو، سب میں صرف حضرت ہی پر اعتماد رہا تھا۔ احوال ماحول کے تابع ہوتے ہیں۔

قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس کے والد جس پر اس قدر اعتماد و عقیدت رکھتے ہوں، لازمی والدین کی شفقت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ اس کی اولاد بھی ان پر جان نثار کرے جس پر یہ قربان ہیں چنانچہ میری خورد سالی میں برابر میرے والد امجد مجھے اپنے ہمراہ حضرت کی خدمت میں لے جاتے تھے۔حتی کہ جب ۱۹۳۳ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں اردو فارسی کی میری تعلیم شروع ہوئی تو روزانہ بعد نماز عصر دربار اقدس کی حاضری معمول ہوگئی تھی۔ پھر جب ۱۹۳۶ء میں میرے اسباق عربی شروع ہوئے تو اور زیادہ حاضری کا موقع ملتا رہا۔ جب حضرت قدس سرہ نے اپنی تفسیر قرآن کریم کی دوبارہ طباعت شروع کرائی، تو آپ نے ہمراہ تصحیح اصل مسودہ ترجمہ وتفسیر کے لیے نظر کرم اس فقیر پر فرمائی روز بروز حضرت کی نظر کرم زیادہ ہوتی

(۱) آپ کا تفصیلی ذکر خلفا کے باب میں ہوگا۔ (نوری)

رہی، حتی کہ تفسیر کی طباعت کے دوران (۱۹۴۱ء میں) حضرت کو حبس بول کا عارضہ شدید صورت اختیار کر چکا تھا اور اس بیماری کا یہ دوسرا حملہ تھا، جو ۱۹۲۸ء کے بعد شدت کے ساتھ ہوا۔ تین روز مسلسل حبس بول رہا۔ ڈاکٹر آتے تھے۔ پیشاب نکالنے کی کوشش کرتے تھے مگر کامیاب نہ ہوتے تھے، یہاں تک کہ قریب قریب ڈاکٹر مایوس ہو چکے تھے۔ اس شدت مرض میں آپ نے اپنے بڑے فرزند ارجمند حضرت مولانا حکیم سید ظفر الدین احمد صاحب کو بلایا۔ اس وقت دوسرے صاحبزادگان اور مخصوص نیاز مندان بھی حاضر مجلس تھے اور حضرت سیّدی استاذی تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی (مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ نعیمہ مراد آبادی قدس سرہ) تو برابر حاضر رہتے ہی تھے اور از دیاد و شدت مرض نے بے چین کر رکھا تھا، ان تمام حضرات کی موجودگی میں فرمایا:

> ''مولانا میاں (یعنی بڑے صاحبزادے) قرآنِ کریم کی طباعت مکمل نہیں ہوئی ہے، تصحیح کا کام شاہ جی (یعنی راقم الحروف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، آپ ہمیشہ شاہ جی ہی سے راقم کو یاد فرماتے تھے) مکمل کرانا چونکہ یہ میری طرز تحریر اور اور رسم خط سے خوب خوب واقف ہو گئے ہیں۔ میں تو ان کو تحریر دیتا تھا یہ اپنی سعادت مندی سے لے لیتے تھے لیکن تم ان کو ہر حال میں راضی رکھنے کی کوشش کرنا، اور شاہ جی کے ساتھ گجرات سے احمد یار خان (صاحب تفسیر نعیمی) کو بلا لینا، یہ دونوں حضرات تفسیر کی طباعت کی تصحیح کر لیں گے''۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو شفا عطا فرمائی اور حضرت

نے اس خادم کے ساتھ خود ہی اس تفسیر کی مکمل تصحیح کی۔ اسی دوران میں راقم الحروف بیمار ہوگیا اور میری بیماری نے اتنی شدت وطوالت اختیار کی کہ دو سال بستر پر پڑا رہا۔ سات مرتبہ موتی جھرہ نکلی اس کے بعد فالج گرا مرض نے شدت اختیار کی۔ حضرت کے کرم کا یہ حال تھا کہ پڑھا رہے ہیں طلباء سامنے ہیں۔ آپ نے فرمایا چلو شاہ جی کو دیکھ آئیں۔ اس طرح جب تک میں بیمار رہا۔ ہفتہ میں کئی کئی بار بسا اوقات روزانہ غریب خانہ پر تشریف لاتے اور مجھے تسلی وتشفی دیتے۔ اس سلسلہ تشریف آوری میں کبھی ایسا نہ ہوا کہ دس پانچ روپے میرے تکیہ کے نیچے نہ رکھ دیے ہوں۔

جب شہر کے بڑے بڑے اطباء وحکماء مجھے جواب دے چکے تو حضرت نے فرمایا، اب ایک نسخہ ہے جو شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کو زندگی بخشنی ہوئی تو آرام آجائے گا لیکن وہ نسخہ بے حد قیمتی ہے۔ فی خوراک اس کی قیمت تین روپے ہوتی ہے اور دن میں ایسی تین خوراکیں دینی ہوں گی، لیکن یہ حضرت قدس سرہ واقف تھے کہ والد صاحب کا سلسلہ روزگار میری علالت کی وجہ سے ختم ہو چکا تھا۔ اب گھر اور بیماری کا خرچ صرف حضرت قدس سرہ کے کرم خسروانہ پر تھا۔ خود ہی فرمایا یہ دوا دیتے رہو۔ چنانچہ حضرت نے اس کو شروع فرما دیا۔ ساڑھے تین مہینے تک مسلسل نو روپے روز کے دوا دی جاتی رہی، اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا حضرت کی دعا شفقت نے درجہ قبولیت پایا۔ دوا کے استعمال سے دن دونی رات چوگنی صحت عود کر آگئی۔ میں اس قابل ہوگیا کہ سواری میں بیٹھ کر آستانہ قدسی کی حاضری دے سکتا تھا۔

اس ضعف وناتوانی کے دور میں جب بھی میں بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضرت اپنا وہ گاؤ تکیہ جو حضرت کے لیے خاص تھا نکال میری کمر کے پیچھے لگا دیا جاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری زندگی تو اسی وقت ختم ہوگئی تھی اب باقی جتنی بھی میری حیات

تھی وہ حضرت قدس سرہ کی دعاؤں کے نتیجہ سے تھی، اس لیے آپ کی حیات طیبہ میں یا بعد میں جس قدر بھی تحدیث نعمت کی جائے کم اور بہت کم اور میری وسعت اختیار سے بالا ہے۔

غرضیکہ بیماری کے بعد ۱۹۴۵ء میں میری دستار بندی حضرت نے فرمائی اور میری حاضری پھر بدستور سابق شبانہ روز آستانہ قدس میں شروع ہوگئی۔ ۱۹۴۳ء چونکہ اماجی مرحومہ (یعنی والدہ شہزادگان) کا انتقال ہو چکا تھا اور آپ اپنے دونوں بڑے صاحبزادوں اور ان کے گھر بار کے اخراجات کے خود متکفل تھے اور تمام نفوس کا خرچ خود ہی برداشت فرماتے تھے، اس لیے گھر کے خور دو نوش کا انتظام اس خادم کے سپرد تھا۔

اسی دوران میں تحریک قیام پاکستان شروع ہوگئی۔ آپ نے سنی کانفرنس کی تنظیم تیز تر فرمائی اور ملک میں دورے شروع کر دیئے اور اس خادم کو مرکزی دفتر ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کا منصرم مقرر کیا اور جب ملک میں حضرت کے دورے قیام پاکستان کے سلسلہ میں شروع ہوئے تو اس خادم کو بھی اپنی خدمت میں ساتھ رکھا حتی کہ ۱۹۴۶ء میں بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس ہوئی اور اگست ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان ہوا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت قدس سرہ کے مرضِ ذیابیطس میں اضافہ ہوگیا اور جسم روز بروز گھٹتا رہا صحت جواب دیتی رہی۔ آپ نے خیال فرمایا کہ میرا آفتاب عمر برسرِ کوہ ہے او یہ شمع علم و عرفان گل ہونے والی ہے و وہ روپیہ جو سنی کانفرنس کا میرے پاس جمع ہے اس کو کسی ایسی جگہ خرچ کرانا چاہئے جو سنی کانفرنس کا مقصد اصلی ہے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۴۸ء میں آپ نے آل پاکستان کا طوفانی دورہ کیا۔ حتی کہ لاہور بھی اسی غرض سے تشریف لائے۔ حضرت مولانا ابوالحسنات صاحب

قادری (خطیب مسجد وزیر خاں لاہور پاکستان) سے جو اس وقت ''پنجاب سنی کانفرنس'' کے صدر اعلیٰ تھے، تبادلہ خیالات کیا۔ ملکی حالات استفسار فرمائے۔

پھر لاہور سے کراچی کا عزم کیا۔ اسٹیشن پر مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم الصدیقی میرٹھیؒ مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی اور دیگر احباب و نیازمندان برائے استقبال حاضر ہوئے۔ حضرت علامہ مولانا عبدالعلیم الصدیقی کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے۔ مولانا الشاہ ابوالمحامد سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی۔ حضرت مولانا مفتی صاحبداد خان سندھ، حضرت مولانا عبدالسلام صاحب باندوی، اور دیگر احباب اہلسنّت کے مشورے سے طے پایا کہ ایک ادارہ تبلیغ قائم کیا جائے اور اس کے تحت دورہ کر کے مسلمانوں میں تبلیغ مذہب انجام دیا جائے۔ تو آپ نے حاجی محمد ابراہیم صاحب مانکڑا سیٹھ کاٹھیاوار کو دو ہزار روپیہ سنی کانفرنس کا دیا اور فرمایا۔ یہ رقم کام شروع کرنے کے لیے ہے لیکن یہ رقم کم نہ ہو۔ اس کو پورا کرتے رہنا تمہارا کام ہے۔ اس تبلیغی ادارہ کے صدر مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ مقرر کیے گئے۔ جب یہ تمام کام ختم کر چکے تو حضرت نے ارادہ فرمایا کہ بغداد شریف نجف اشرف کربلائے معلیٰ بیت المقدس اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت فرمائیں کراچی تو آ ہی گئے ہیں۔ چنانچہ پاسپورٹ اور سیٹیں سب مکمل ہو چکی تھی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ مرض نے انتہائی شدت اختیار کر لی، بالآخر زیارتوں کا ارادہ ترک فرما دیا اور لاہور واپس تشریف لے آئے لاہور آنے کے بعد مرض نے خطرناک صورت اختیار کرنی شروع کر دی، مسلسل غذا کے نہ پہنچنے سے ضعف و نقاہت کا استیلاء ہونا لازمی تھا، چونکہ آپ کا قیام ہمیشہ حضرت علامہ مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب قادری ناظم مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور کے یہاں ہوتا تھا۔ اس سفر میں بھی

آپ نے یہاں ہی قیام فرمایا۔ سید صاحب نے بے حد تگ و دو کر کے اسپیشل طیارے (ہوائی جہاز) میں دہلی کے لیے سیٹ ریزرو کروائی اور آپ مرادآباد واپس تشریف لے گئے۔ مرادآباد پہنچنے کے بعد تو حالات دن بدن مایوس کن ہوتے چلے گئے۔ شہر کے بڑے بڑے حکیم و ڈاکٹر آتے رہے، اپنے فن کے کمال دکھاتے رہے مگر جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا وہی ہوا۔ میرا ہمیشہ کا معمول رہا ہے کہ کبھی حضرت کے سامنے نہیں لیٹا اور نہ کبھی چارزانوں بیٹھا۔ ہمیشہ آستانہ پر کسی دیوار یا ستون کی اوٹ میں رات کو لیٹتا تھا تاکہ مجھے حضرت لیٹے ہوئے نہ دیکھیں۔ چنانچہ اس بیماری کے زمانہ میں بھی اگر غنودگی نے بہت مجبور کیا تو چارپائی کے پیچھے سرہانے گاؤ تکیہ پر سر رکھا۔ کچھ نیند لے لی۔ حضرت اگر کبھی کروٹ بھی لیتے تو میں بیدار ہو جاتا تھا۔ اسی دوران میں ایک شب حضرت کے سرہانہ تکیہ پر سر رکھے ہوئے لیٹا تھا۔ کچھ غنودگی سی طاری ہوگئی کیا دیکھتا ہوں کہ:

> ''ایک نہایت عالی شان بقعہ نور کمرہ ہے چاروں طرف قالین پر گاؤ تکیے لگے ہوئے ہیں آپ متواتر شب میں خواب دیکھا کہ ایک طرف حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونق افروز ہیں دوسری طرف حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین ایک طرف حضرت سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ مشکل کشا ایک طرف حضرت ابو ہریرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تکیہ لگائے رونق افروز ہیں، آخر میں ایک کونہ پر ایک نشست خالی ہے کمرہ کے دروازہ پر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں کہ ایک طرف سفید عمامہ باندھے سفید ململ کی

اچکن پہنے حضرت قدس سرہ آ رہے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہاری نشست اندر خالی ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ میرے لیے یہی بڑی سعادت ہے کہ جوتیوں میں ہی جگہ مل جائے مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے، حضرت نے عرض کیا الامر فوق الادب اس خالی نشست میں اپ کو لے جا کر بیٹھایا گیا، آپ ابھی پوری طرح بیٹھے بھی نہیں تھے کہ میری آنکھ کسی وجہ سے کھل گئی۔ صبح کو سیدی استاذی تاج العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی قدس سرہ کی موجودگی میں اپنا خواب بیان کیا تو آپ کو یہ سن کر خوشی میں آنسو نکل آئے۔ فرمایا: ''میرا انتظار ہے اب میں جا رہا ہوں، یہی اس کی تعبیر ہے، حضرت تاج العلماء نے عرض بھی کیا کہ یہ خواب حضور کی صحت کی طرف اشارہ کر رہا ہے، مگر آپ نے پھر یہی فرمایا، نہیں! میرا انتظار ہے''۔

چنانچہ آپ نے اپنی غیر منقولہ جائیداد کو اپنے مذکور چاروں صاحبزادوں میں گھر پر کمیشن بلا کر منتقل فرمایا، منقولہ جائیداد کو تقسیم کیا۔ صرف آٹھ سو روپے اپنے تجہیز وتکفین اور مراسم فاتحہ و چالیسویں، علاج کے لیے باقی رکھا اور قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر جو کہ آپ کے بڑے صاحبزادے کے نام رجسٹرڈ تھا، سب کی موجودگی میں ان سے وصیت فرمائی کہ یہ رجسٹریشن چاروں صاحبزادوں کے نام منتقل کر دو'' بہ حصہ مساوی چاروں اس کی آمدنی میں شریک رہیں گے۔

بڑے صاحبزادے نے سر اطاعت جھکا دیا اور حضرت قدس سرہ کو مطمئن

کیا اس کے بعد مریدین کا ایک تانتا بندھنا شروع ہو گیا۔ ایک جماعت آتی تھی، داخلِ سلسلہ ہو کر جاتی تھی کہ دوسری جماعت آجاتی۔ خدا معلوم کہاں کہاں سے لوگ آتے تھے؟ آخر ایام میں چونکہ ضعف و نقاہت سے آواز بالکل پست ہو گئی تھی۔ تو یہ خادم حضرت کے لب ہائے مبارک کے پاس اپنے کان لے جاتا آپ ارشاد فرماتے اور میں اس کا اعادہ کرتا اور مرید اس کو کہتے جاتے تھے حتی کہ رحلت سے ایک گھنٹہ قبل تک یہی سلسلہ رہا، جب کبھی میں نہ ہوتا تو حضرت تاج العلماء قدس سرہ یہ خدمت انجام دیتے۔

علالت کے زمانہ میں حضرت مجھے بعد مغرب گھر جانے کی اجازت مرحمت فرماتے تھے اور میں ایک گھنٹہ یا کچھ کم وبیش میں واپس آجاتا تھا اگر میرے گھر جانے تک کچھ غذا ملاحظہ نہیں فرمائی ہے تو جب تک میں واپس نہیں آتا تھا میرا انتظار فرماتے تھے۔ غذا کے لیے جو بھی عرض کرتا فرماتے شاہ جی کو آنے دو۔

وصال مبارک سے ایک ماہ قبل میں نے عرض کیا کہ حضور نے مجھ سے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ میں جب تجھ سے بہت خوش ہوں گا تجھ کو ایسی چیز دوں گا جو تجھے ہمیشہ کے لیے کافی ہوگی۔ حضور مجھ سے جو غلطیاں ہوئی ہوں، ان کو معاف فرماتے ہوئے اب اگر کرم فرمادیں تو زہے نصیب۔ آپ نے فرمایا مجھے اپنا وہ وعدہ یاد ہے۔ لیکن میں دیکھتا تھا کہ تجھ میں اس کی طلب ہے یا نہیں؟ اب میں تجھ کو وہ چیز دیتا ہوں جو تجھے عمر بھر کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ فرمایا اور عطا فرمائی۔ وہ چیز ہے جس کو آپ نے چند ہی افراد کو مرحمت فرمایا ہے آپ فرماتے تھے ایک تو تیرے والد کو دیا ہے اور سید کو (یعنی مولانا ابوالبرکات صاحب کو) مولوی احمد یار خاں کو اور چند مخصوص لوگوں کو اور یہ میں اسی وقت دیتا ہوں جب میں اس سے بے حد خوش ہوں۔

۸ ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ کو میں نے عرض کیا کہ حضور اگر مجھے سلسلہ کے فیوض سے بہرہ ور فرمادیں تو نجات کی ضمانت ہو جائے۔ آپ نے اشارہ فرمایا۔ میں چار پائی پر دہنی جانب دوزانوں بیٹھا آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور داخلِ سلسلہ فرما کر اپنے اوراد و اشغال اور سلاسل کا ماذون و مجاز فرمایا اور صبح کو ایک مثال (سند اجازت) اور چند مخصوص اشغال مرحمت فرمائے۔

وصال سے دو ہفتے قبل آپ نے مجھ سے فرمایا: شاہ جی تم نے میری بیاض خاص کی نقل کر لی ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں! فرمایا نقل کر لو، پھر تم کو دیکھنی بھی نصیب نہ ہوگی چنانچہ یہی ہوا کہ اس کا دیکھنا بھی میسر نہیں ہوا میں نے جلد از جلد اس کو نقل کر کے ایک ہفتہ قبل پیش خدمت کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور اس پر دستخط فرمادیں، چونکہ زمانہ نہ دیکھا ہے کہ میں خدمتِ اقدس میں ہر وقت باریاب رہتا ہوں کہیں کوئی یہ بدگمانی نہ کرے کہ میں نے خود خفیہ نقل کی ہے۔ اس بات پر آپ مسکرائے اور دستخط فرما دیئے۔ یہ وہ آخری دستخط ہیں کہ اس کے بعد آپ نے دستخط ہی نہیں کیئے۔ اور اس خادم کے پاس موجود ہیں۔

اسی طرح وصال سے تین روز قبل کا واقعہ ہے کہ میرے کان میں شدید درد تھا ، اور بے ساختہ سوتے جاگتے کان پر ہاتھ جاتا تھا، صبح کو مجھ سے اشارہ فرمایا۔ میری سمجھ میں نہ آیا۔ کمرہ کے باہر حضرت سیدی تاج العلماء (قدس سرہ) تشریف فرماتے تھے، ان سے عرض کیا آپ نے اشارہ سمجھا کہ قلم و دوات طلب فرما رہے ہیں۔ قلم و دوات اور کاغذ پیش کیا گیا آپ نے لکھا:

''میں رات کو دیکھتا ہوں کہ بے اختیار بار بار تیرا ہاتھ کان پر جاتا ہے، جاؤ ڈاکٹر مشتاق نبی کو کان دکھاؤ''۔

یہ تحریر اتنی شکستہ اور غیر مانوس تھی کہ تحریر دیکھ کر تاج العلماء کے بے اختیار آنسو نکل آئے اور فرمایا: اللہ اکبر! یہ اس ہستی اقدس کی تحریر ہے، جس کے بے شمار شاگرد ہر طرزِ تحریر میں کاتب وخوشنویس ہیں، آج ضعف نے یہ حال کر دیا کہ تحریر پڑھی بھی نہیں جاتی۔ یہ تحریر بھی آخری تحریر ہے، جو میرے حق میں لکھی گئی۔ اس کے بعد آپ نے کوئی حرف نہیں لکھا۔ یہ تحریر بھی آپ کے تبرکات میں محفوظ ہے۔

اسی دورانِ علالت کا واقعہ ہے کہ حضرت سیدی تاج العلماء (قدس سرہ) نے جو کہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے مہتمم بھی تھے اور شیخ الحدیث بھی جامعہ کا حساب و کتاب پیش کیا حضرت نے اس وقت آپ کو ایک سند اعتماد وخوشنودی کا رڈ اطمینان حساب وکتاب تحریر فرمادی چنانچہ اس دوران میں حضرت کے بڑے صاحبزادے نے جو مدرسہ کے متولی تھے حضرت سے عرض کیا کہ حضور مجھے بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مدرسہ کا کیا حساب وکتاب اور کتنی رقم ہے؟ حضرت نے فرمایا مولانا محمد عمر کی امانت دیانت محبت میری جانچی ہوئی ہے۔ تمہاری سب کی سعادت اسی میں ہے کہ ان کے قدم دھو کر پیو، ان کے کاموں میں دخیل نہ ہو، یہ میرے معتمد مخلص ہیں۔

آپ کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ اٹھتے بیٹھتے حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر پڑھتے رہتے تھے، مگر اب کے علالت کے زمانہ میں ہر وقت آپ کا یہ ورد رہتا تھا۔ کچھ ایام قبل آپ کلمہ شہادت اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد اعبدہ ورسولہ پڑھتے رہتے تھے۔ ایک روز مجھ سے فرمایا:

''شاہ جی! تو گواہ رہنا جب مجھے افاقہ ہوتا ہے، تو میں کلمہ شہادت پڑھتا ہوں۔'' غالبا یہ'' انتم شھداء اللہ فی الارض ''
ارشادِ نبوی کے ماتحت عمل فرمایا گیا، ورنہ کہاں میں اور کہاں اس

بقعہ نور کے لیے شہادت؟''۔

الغرض وہ دن آیا کہ جس دن وصالِ حق سے سرفراز ہونا اور ہمیں دنیا میں تڑپتے ہوئے چھوڑ جانا تھا۔ جمعہ کا دن تھا، ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ بمطابق ۲۳/اکتوبر ۱۹۴۸ء تاریخ تھی۔ صبح ہی سے آثار اس قسم کے پائے جا رہے تھے کہ یہ اہلسنت کا تاجدار، علم وفضل کا گوہرِ آبدار، حقیقت ومعرفت کا شہسوار آج ہی کے دن کا مہمان ہے۔ حسب معمول مجھے حکم دیا کہ جاؤ جمعہ کی نماز پڑھاؤ۔

میں جب نمازِ جمعہ آپ کی مسجد میں پڑھا کر واپس آیا تو قصبہ سنبھل کے ایک عقیدت کیش چودھری اختر حسین صاحب قدم بوسی کے لیے آئے ہوئے تھے اور آپ کے چھوٹے داماد حکیم سید حامد علی صاحب بھی موجود تھے میں نے غذا کے لیے عرض کیا فرمایا نہیں! چودھری صاحب کے لیے چائے بناؤ، چائے بنائی گئی اور حضرت سے چائے کے لیے عرض کیا، آپ نے فرمایا: لاؤ، میں نے اور حکیم صاحب نے سہارا دے کر کلی کرائی اور چائے پلانی شروع کی۔ یکا یک ضعف کا ایسا استیلاء ہوا کہ لٹانا پڑا اور سب کلمہ شریف پڑھنے لگے، کچھ وقفہ کے بعد جب سکون ہوا، تو آپ نے فرمایا، تم سب کلمہ پڑھ رہے تھے رُک کیوں گئے؟ مجھے بڑا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے بعد پھر مرید ہونے والوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

حضرت تاج العلماء (قدس سرہ) قلعہ کی جامع مسجد سے نماز جمعہ پڑھا کر جب آئے تو میں نے آپ سے سارا ماجرا عرض کیا جامعہ نعیمیہ سے حضرت استاذی مولانا محمد یونس صاحب نعیمیؒ، مولانا قاضی احسان الحق صاحب نعیمی، اور چند طلباء بھی آگئے حضرت نے چند نصائح تحریر کرائے:

(۱) میرے جنازہ کی نمائش نہ کرنا اگر لوگ زیادہ اصرار کریں تو مدرسہ کے صحن میں

نمازِ جنازہ ادا کرنا۔

(۲) وہاں سے سیدھے میری آخری آرام گاہ لے جانا۔

(۳) حضرت تاج العلماء (قدس سرہ) نے عرض کی کہ حضور مجھے اجازت دی جائے کہ میں آج رات یہیں حاضر رہوں؟ فرمایا نہیں شاہ جی کافی ہیں۔ پر آپ نے عرض کی شاہ جی کے ساتھ کوئی دوسرا ہونا ضروری ہے یا تو مجھے اجازت دیں اور اگر مجھے اجازت نہیں تو کم از کم مولانا محمد یونس صاحب کی خواہش ہے کہ ان کو اجازت دے دی جائے؟۔

فرمایا: ہاں وہ اگر رہنا چاہیں تو باہر برآمدہ میں رہ سکتے ہیں''۔

چنانچہ مولانا محمد یونس صاحب کو مدرسہ سے بلایا گیا، اور سب کو رخصت کر دیا گیا، گیارہ بجے کا وقت تھا حضرت نے اپنی سہ دری کے تینوں دروازے بند کرا دیئے۔ حضرت مولانا محمد یونس صاحب اور منجھلے صاحبزادہ مولانا محمد اختصاص الدین صاحب سہ دری کے باہر تخت پر بیٹھے رہے۔ کمرہ میں میرے اور حضرت کے سوا کوئی نہ تھا، تھوڑی دیر مجھ سے گفتگو فرمائی، اس کے بعد حضرت خاموش ہو گئے، تقریباً گیارہ بجے حضرت نے فرمایا پنکھا کھول دو، میں نے کھول دیا پھر فرمایا کم کر دو میں اس کی رفتار نمبر۲ پر کر دی پھر فرمایا اور کم کر دو میں نے نمبر۳ پر رفتار کر دی۔ کچھ وقفہ کے بعد فرمایا بند کر دو۔ اس کے بعد مجھ سے کہا میرا بازو دباؤ۔ چنانچہ میں چارپائی کی داہنی جانب بیٹھ کر بازو اور کمر دبانے لگا، دیکھا کہ کچھ زبان سے فرما رہے ہیں اور چہرۂ اقدس پر بے حد پسینہ ہے، میں نے اسے رومال سے جو تہہ کیا ہوا آپ کے سینہ پر رکھا تھا، چہرہ سے پسینہ خشک کیا، آپ نے نظر مبارک اٹھا کر میری طرف ملاحظہ فرمایا پھر آواز سے کلمہ پڑھنا شروع کیا، لیکن دم بدم آواز پست سے پست ہوتی چلی گئی

ٹھیک بارہ بج کر ۲۵ منٹ پر مجھے پھیپھڑوں کی حرکت بند ہوتی معلوم ہوئی خود رو بہ قبلہ ہوکر ہاتھ پیر سیدھے کر لئے تھے کلمہ شریف پڑھتے ہوئے جانِ پاک جان آفرین کے سپرد ہوئی۔(انا للہ وانا الیہ راجعونO)

آہ! نعمت عظمیٰ آج ہم سے جُدا ہوئی، جس کا ثانی اب ہماری نظروں میں نہیں۔اس کے بعد میں نے مولانا یونس صاحب کو بلایا اور ان سے عرض کیا: آیئے!اب ہمارے لیے سوائے عمر بھر رونے کے کچھ نہیں ہے۔چادر اُڑھادی گئی۔ حضرت تاج العلماء کو والد صاحب کے ذریعہ خبر دی گئی اور اسی وقت شہر میں ایک کہرام مچ گیا جوق در جوق لوگ آنے لگے جو آتا بادیدہ تر قرآن خوانی میں مشغول ہوجاتا۔اسی وقت ملک کے گوشہ گوشہ میں تار دیدیے گئے آپ کے انتقال کا صدمہ اہل سنت کو جو ہونا تھا وہ تو ہونا ہی تھا اغیار کو بھی ایسا صدمہ تھا کہ وہ اپنی مسجدوں میں روتے تھے اور کہتے تھے کہ زندگی میں ہمارا اور ان کا گو کیسا ہی اختلاف تھا لیکن یہ حقیقت تھی کہ علم وفضل میں یکتا اور نظر وبصیرت میں بے مثل تھے۔

حضرت تاج العلماء ''قدس سرہ'' حضرت مولانا محمد یونس صاحب نعیمی اور صاحبزادہ حضرت مولانا حکیم ظفر الدین احمد صاحب مولانا اختصاص الدین احمد صاحب اور اس خادم نے حضرت کو غسل دیا جامہ ہائے عروسی (کفن) پہنایا گیا، پھر درونِ خانہ آخری زیارت کرائی گئی۔پھر دروازہ پر ایک جم غفیر آخری دیدار اور جنازہ کا منتظر تھا غرضیکہ ہجوم وازدحام اور مجمع کثیر کی وجہ سے ممکن نہ تھا کہ سب جنازہ کی مسہری کو کندھا دے کر اس سے استفادہ کرسکیں اس لیے لانبے لانبے بانس مسہری کے دونوں گوشوں میں باندھے گئے اور وصیت کے مطابق مقررہ راستوں سے جنازہ گزارا گیا۔جس طرف سے جنازہ گزرتا تھا ہر گھر سے نالہ وبکا اور چیخ وپکار کی آوازیں آتی

تھیں اور صحیح معنی میں اس وقت تمام شہر اپنے آپ کو یتیم سمجھ رہا تھا۔ صوفیاء کرام مشائخ عظام کی جماعت جنازہ کے آگے ذکر کرنے میں مشغول تھی حتی کہ جنازہ جامعہ نعیمیہ پہنچا، وہاں صحنِ جامعہ میں جنازہ رکھ کر حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی پھر جنازہ کو دارالحدیث میں لاکر رکھا گیا۔

یہ وہ دارالحدیث ہے جس میں حضرت قدس سرہ برسہا برس سے درسِ حدیث دیا کرتے تھے اور اعلان کیا گیا کہ زائرین ادب کے ساتھ فرداً فرداً ایک دروازہ سے آئیں اور دوسرے دروازہ سے نکلتے جائیں۔

اس کے بعد جامعہ نعیمیہ کی مسجد کے بائیں گوشہ میں آپ کی آرام گاہ مقرر ہوئی اور آپ کو سپردِ خاک کرتے ہوئے زبان حال سے عرض کردیا گیا۔

اے خاک تیرہ عزت مہمان نگاہ دار

این نور قلبِ ماست کہ در پردہ گرفتہ

اور مولانا معین الدین نعیمی نے یہ تحریر کیا:

زد نیا رفت سوئے باغ جنت

ادیب و عالم علم محمد

بگو مخدوم سالِ ارتحالش

نعیم الدین ، نعیم فذفضلِ ایزد

(۱۳۶۷ھ)

صدرالافاضل کی دینی وسیاسی اور تنظیمی خدمات پر

مولانا عبدالحامد بدایونی کے تاثرات

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کسی ایک شخص میں تمام خصوصیات یکجا نہیں ہوتیں اگر ایک شخص بہتر معلم ہے تو عمدہ خطیب نہیں ہوسکتا، اگر بولتا اچھا ہے تو انشاء پرداز نہیں، پھر اسی طرح علماء میں بہت کم ایسے بزرگ ہیں جو تمام علوم وفنون میں یکساں مہارت رکھتے ہوں۔ اگر کوئی فقہ وحدیث اچھا پڑھاتا ہے تو ادب ومنطق میں رواں دواں ممکن نہیں۔

لیکن حضرت استاذ العلماء صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ علماء میں ایک ایسے فرد کامل تھے کہ تقریر وتحریر، درس وتدریس، صرف ونحو، تفسیر وحدیث، فقہ وکلام، فلسفہ ومنطق، ریاضی واقلیدس وغیرہ علوم وفنون میں اس درجہ مہارت رکھتے تھے کہ ہر فن کی اوسط واعلیٰ کتابیں بیسویں بار پڑھائیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہر فن کی کتاب کا پہلے نفسِ مضمون ادا فرماتے پھر اس کی تشریحات کرتے: اپنی طرف سے اعتراض قائم کرکے جوابات بھی دیتے کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑتے نہ کسی اعتراض کی کوئی بات باقی رہ جاتی۔ ذہین وفطین طلباء مطالعہ میں بہت سے اعتراضات وابہامات لے کر جاتے مگر حضرت اپنے علمی تبحر اور ذکاوت سے کسی اعتراض کا موقع ہی باقی نہیں رہنے دیتے۔ طلباء پر ان کی شفقت بزرگانہ اس درجہ تھی کہ ہر ایک طالب علم یہی سمجھتا تھا کہ مجھے زیادہ چاہتے ہیں طلباء کی علمی رہائشی اور دیگر ضروریات پر نظر رکھتے طلباء کو محنت وسادگی اور اخلاقِ نبوی کا خصوصی درس دیا جاتا۔

حضرت مولانا مرحوم حلقہ درس کے علاوہ اپنے مکان میں جس قدر قیام فرماتے اور ملاقاتیوں سے ملتے ہر ایک ملاقات میں ان کی زبان سے اصلاحِ سخن درستی اخلاق محبت نبوی کا زیادہ سے زیادہ درس ملتا اور اکابر علماء واتقیاء اولیاء اللہ کی مجلسوں کا رنگ نمایاں رہتا۔

بدایوں، بریلی، مراد آباد کے خانوادوں کا یہ طرۂ امتیاز رہا کہ ان کے مدارس وخانقاہوں میں طلباء اور حاضر باشوں کو متبع دین بنایا جاتا، عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، محبتِ حضراتِ اصحاب کرام واہل بیت، اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین، اولیاء اللہ رحمہ اللہ علیہم اجمعین کی پیروی رگ وپے میں بٹھائی جاتی۔

☆ تنظیمی کوشش:

حضرت استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی کی ایک ایسی شخصیت تھی جو ہندوستان کے طبقہ اہل سنت اور اس کے علماء ومشائخ کی تنظیم و اتحاد کی علمبردار تھی ان کا عرصہ سے خیال تھا کہ جس طرح ہو سکے حضرات علماء اہل سنت اپنے بکھرے ہوئے شیرازہ کو مجمع کریں۔ ان کا ایک متحدہ پلیٹ فارم ہو جس پر تمام عناصر اہلسنّت یکجا ہو کر کام کریں۔ تنظیم ویکجہتی اتحاد و یگانگت رسمی طور پر وبہت اچھے الفاظ ونام ہیں لیکن ان عنادین پر عمل کرانا شدید مشکل کام ہے۔ خصوصا ایسی فضا میں جبکہ بعض بعض مسائل میں باہم وگر اختلافات حد کو پہنچ گئے ہوں اور ایک دوسرے کے پاس بیٹھنا بھی ناگوار ہو چکا ہو، ایسے ماحول میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا علماء ومشائخ اہل سنت کو یکجا اور متحد کرنا وقت کا نازک ترین مسئلہ تھا پھر سیاسی ہنگامہ آرائیوں اور تحریکات قومیہ نے نظریاتی اور اساسی حیثیت سے باہمی خلیج پیدا

کردی تھی بہت سے علماء اہل سنت جو سیاست میں ایک بلند مقام حاصل کر چکے تھے
اور علماء بریلی ومرادآباد سے ان کے علائق ظاہری میں بہت بعد پیدا ہو چکا تھا۔

سنی کانفرنس بنارس:

ایسی نازک ترین فضا میں جبکہ باہمی علائق کی زنجیریں ٹوٹ چکی تھیں،
حضرت ابوالمحامد مولانا سید محمد صاحب اشرفی محدث کچھوچھوی مدظلہ العالی اور حضرت
استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے اپنے اخلاص اور جماعتی
مفادات کی خاطر علماء بدایون وبریلی کے دیرینہ اختلافات کے مٹانے اور ایک نقطہ نظر
پرلانے کی تحریک شروع فرمائی۔ ہر دو بزرگوں کی مخلصانہ جدوجہد نے عرصہ دراز کے
افتراق واختلافات کو مٹایا۔ علماء بدایوں، جماعتی تنظیم اہلسنت کی ترقی وسربلندی کی
تحریک کے موید ہو گئے اور شانہ بشانہ تنظیم اہلسنّت کی تحریکات میں شامل ہو کر متحرک
ہو گئے۔

اجلاسِ بنارس:

میں نے اپنی چالیس (۴۰) سالہ قومیات کی زندگی میں صدہا کانفرنسیں دیکھیں
اور بیسیوں خود منعقد کیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ بنارس کی سنی کانفرنس کی طرح گزشتہ
چالیس سالوں میں کوئی ایک کانفرنس بھی نہ ہو سکی، ہندوستان کے ہر صوبہ کے علماء
ومشائخ جس کثیر تعداد کے ساتھ بنارس میں تشریف لائے، کسی اور مقام وشہر میں اس
نوعیت کا کوئی اجلاس نہیں ہوا۔

کانفرنس، خطبات، مقالات، تجاویز اور مسائل کی اہمیت کے لحاظ سے فقید
المثال کانفرنس تھی۔ کاش کانفرنس کے اختتام کے بعد ہمارے علماء ومشائخ اپنے اپنے

علاقہ جات میں کانفرنس کے اختتام کے بعد ہمارے علماء ومشائخ اپنے اپنے علاقہ جات میں کانفرنس کے لائحہ عمل کو روبکار لاتے تو وہ چند اجلاس اہلسنت مذہبی وسیاسی و علمی زندگی کو استوار اکر دیتے۔

ادھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مسلسل علالتِ طبع مانع رہی، مگر علالت کے باوجود زندگی کے آخری لمحات تک مولانا سرگرم عمل رہے ان کی زندگی تالیفات و مضامین، بیانات ونصائح آج بھی ہم سب کے لیے ایک بہترین نمونہ ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے اندر جو حالات ہورہے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کے پاک مشن کو زندہ کیا جائے جماعت اہلسنت مشائخ وعلماء کرام کی تنظیمات کو ازسر نو قائم کیا جائے جائزہ لیا جائے کہ ہماری جماعت تعمیری لحاظ سے کن کن چیزوں کی محتاج ہے؟

بہتر سے بہتر مدرس، واعظ، مفسر، محدث، فقیہ، قاری وامام کافی تعداد میں تیار کیے جائیں۔ حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ علیہ کی صحیح یادگار کے یہی امور اور سبق ہیں۔

فقیر محمد عبدالحامد القادری البدایونی

(کراچی)

حضرت مولانا محمد اعجاز الرضوی القادری بریلوی کے تاثرات

فرقِ باطلہ اور معاندین سے گفتگو ومناظرات میں سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بارہا حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمہ کو اپنا وکیل خاص بنایا۔ چنانچہ اسی خصوصیت کی بناء پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے ''ذکر احباب'' میں ارشاد فرمایا:

میرے نعیم الدین کو نعمت

اس سے بلا میں سماتے یہ ہیں

(قصیدۃ الاستمداد)

سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد اعظم رضی اللہ عنہ نے جس پیارے انداز میں حضرت صدر الافاضل کا ذکر کیا اور ان کے درمیان یگانگت و یک جہتی اور کامل اعتماد پر دال شاہد و عادل ہے۔

- علماء فرنگی محل سے جب مصالحت کا سوال پیش ہوا تو یہ صدر الافاضل کی ہی ذاتِ گرامی تھی، جس نے ایسے نازک معاملہ کو نہایت خوش اسلوبی سے طے کرا دیا اور ۱۳۳۹ھ میں ''خدام الحرمین'' کے تاریخی اجتماع میں حضرت برہان العلم والدین مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی اور حجۃ الاسلام شیخ الانام مولانا الحاج الشاہ محمد حامد رضا خان قدس سرہما العزیز الکریم المنان میں صلح وصفائی حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ ہی کی کوشش سے ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد اعظم رضی اللہ عنہ کے کارہائے تجدید کی ترویج و اشاعت جس قدر حضرت سلطان العلوم صدر الافاضل قدس سرہ نے فرمائی وہ اہلسنّت سواد اعظم پر مخفی نہیں۔ بلاشبہ مسلک سیدنا امام اہلسنّت مجدد دین وملت کی ترویج و اشاعت میں جو حصہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے، وہ آپ کی تالیفات وتصنیفات سے ظاہر ہے۔ ہمیں وثوق ومعتمد علیہ روایت پہنچی ہے کہ بار بار حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ہمیں مجددِ اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے آستانہ قدسیہ سے حقیقت میں ایمان وکلمہ ملا سیدنا اعلیٰ حضرت کا ملک و

ملت سواد اعظم پر احسانِ عظیم ہے کہ آپ نے ہمیں ایمان وکلمہ
سے روشناس فرمایا''۔

یہ نہایت درجہ آبدیدہ ہوکر ارشاد فرماتے۔

حضرت سلطان العلوم صدر الافاضل قدس سرہ سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ان ممتاز خلفاء میں سے تھے، جنہیں سیدنا امام اہلسنت قدس سرہ کے مزاج عالی میں بڑا دخل تھا اور سیدنا مجدد اعظم رضی اللہ عنہ ان کے مشوروں کو قبول بھی فرماتے اور اظہارِ مسرت و شادمانی بھی فرماتے، ''الطاری الداری'' کی تصنیف پر مسودہ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کو دکھایا گیا، اور حضرت نے اس میں سے کثیر مضمون کے بارے میں درخواست کی کہ یہ نکال دیا جائے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بلا تامل اسے کاٹ دیا اور حضرت صدر الافاضل قدس سرہ سے یہ بھی نہ فرمایا کہ کیوں یہ ترمیم پیش کی؟

غرض یہ کہ بجا طور پر اگر حضرت سلطان العلوم صدر الافاضل قدس سرہ کو ''رضویوں کا وکیل کہا جائے تو کوئی مضائقہ وحرج نہیں، بلکہ درحقیقت سیدنا امام اہلسنّت قدس سرہ کی کرم نوازیاں اس قدر حضرت سلطان العلوم صدر الافاضل پر تھیں کہ حضرت فرماتے ہیں کہ میرا بستر بریلی شریف کے لیے کبھی کھلا ہی نہیں۔ پورے زمانہ حیات سیدنا مجدد اعظم (قدس سرہ) میں ہر دوشنبہ وہر پنج شنبہ کو بریلی آنا اور زیارت امام اہلسنّت سے مستفیض ہوکر مراد آباد واپسی حضرت صدر الافاضل کے خصوصی مشاغل میں تھا۔

سیّدنا مجدِ دِ اعظم رضی اللہ عنہ سے محبت وعقیدت شاہزادگان سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے بھی والہانہ الفت وتعلق تھا۔

حضرت قدس سرہ ایک واقعہ اپنے ابتدائی زمانہ کا بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار میں اور حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ آستانہ معلیٰ پر حاضر تھے۔ سیدنا امام اہلسنّت

بالا خانہ پر تشریف رکھتے تھے، اور ہم دونوں ''سلطان الاذکار'' کے بارے میں نیچے برآمدہ میں باتیں کر رہے تھے کہ سیدنا امام اہلسنّت بالا خانہ سے نیچے تشریف لائے اور ارشاد فرمایا، جاؤ اوپر بستر پر آرام کرو۔ ہم نے حکم کی تعمیل کی اللہ گواہ ہے کہ جیسے ہی میں سیدنا امام اہلسنّت قدس سرہ کے بستر شریف پر لیٹا، قلب (سلطان الاذکار کے لیے) ذاکر ہو گیا۔

اس واقعہ پر ارشاد فرمایا: سبحان اللہ! اعلیٰ حضرت کا کیا مقام تھا؟ بستر پر لیٹنے کا یہ اثر تھا، ایسا اثر ہم نے کہیں نہ دیکھا۔

سیدنا صدر الافاضل قدس سرہ کی شخصیت دُنیائے اہلسنّت کے لیے ''سنگِ میل'' کا درجہ رکھتی ہے[1]۔

فقیر قادری محمد اعجاز الرضوی بریلوی

---

(۱) حیات صدر الافاضل

باب پنجم

صدر الافاضل کے علمی آثار

باب ششم

صدرالافاضل کے علمی آثار

جامعہ نعیمیہ مرادآباد:

حضرت صدرالافاضل نے ۱۳۲۸ھ میں ارادہ فرمایا کہ مرادآباد میں اہلسنّت وجماعت کا ایک ایسا مدرسہ قائم کرنا چاہیئے جس میں معقول ومنقول کی معیاری تعلیم دی جاسکے، چنانچہ آپ نے سب سے پہلے ایک انجمن بنائی، جس کے ناظم ومہتمم آپ ہی مقرر ہوئے اور حکیم حافظ نواب حامی الدین احمد مرادآبادی مرحوم کو اس انجمن کا صدر بنایا گیا اور آپ نے اس انجمن کے تحت ایک مدرسہ قائم کیا جس کو اس وقت ''مدرسہ انجمن اہلسنّت وجماعت[1]'' کا نام دیا گیا۔ جب نواب حامی الدین احمد مرحوم اور ان کے رفقاء کا انتقال ہوگیا تو انجمن کو انتظامی اعتبار سے مدرسہ کے ساتھ منسلک کردیا گیا، لیکن مقاصد کو برقرار رکھا گیا، اور اس وقت کے نئے منتظمین کے قرارداد کے کے بعد یہ مدرسہ باقاعدہ حضرت کے نام نامی کے ساتھ منسوب کیا جانے لگا، چنانچہ اس کا نام ''مدرسہ نعیمیہ'' مشہور ہوا۔ اور حضرت انجمن کی بھی سرپرستی فرماتے رہے تھے۔ پھر جب اس کے فارغ التحصیل طلباء وعلماء نے ملک کے اطراف واکناف میں پھیل کر اپنے اپنے مقام میں مدرسے قائم کیے اور ان کا الحاق بھی اسی ''مدرسہ نعیمیہ'' کے مرکزی مدرسہ سے ہوا۔ بعد میں اس مدرسہ کا نام ''جامعہ نعیمیہ'' رکھا گیا اور بحمدہ تعالیٰ

---

[1] آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس ۱۹۴۶ء کے اجلاس میں اس تنظیم کے رضاکاروں نے ایک الگ کیمپ قائم کیا تھا جس میں مہمانوں کے لیے کھانے پینے کے علاوہ سونے کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو (تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۴۶ء مولفہ جلال الدین قادری)

آج تک یہ ادارہ اسی نام سے قائم ومشہور ہے۔اور ہندوستان میں اہلسنت وجماعت کی مرکزی درسگاہوں میں اس کا میں شمار ہوتا ہے۔

تصانیف:

آپ نے ۲۰ سال کی عمر میں ہی ''الکلمۃ العلیا لا علاء علم المصطفیٰ'' نامی کتاب تصنیف فرمائی اوراس کے بعد تقریباً ڈیڑھ درجن سے زیادہ کتب ورسائل آپ سے یادگار ہیں اوراکثر مطبوعہ ہیں،جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) تفسیر خزائن العرفان علی حاشیہ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن ۱۳۳۰ھ مطبوعہ،تاج کمپنی لاہور

(۲) اطیب البیان فی ردتقویۃ الایمان،مطبوعہ (۳) آداب الاخبار

(۴) سوانح کربلا،مطبوعہ (۵) کتاب العقائد

(۶) کشف الحجاب (۷) اسواط العذاب

(۸) التحقیقات لدفع التلبیسات (۹) زادالحرمین

(۱۰) ریاض نعیم،مطبوعہ لاہور (۱۱) احقاق حق

(۱۲) ارشادالانام فی محفل المولودوالقیام (۱۳) القول السدید

(۱۴) گلبن غریب نواز (۱۵) فرائدالنور

(۱۶) سیرت صحابہ (۱۷) فتاویٰ نعیمیہ،وغیرہ[1]۔

آپ کی تصانیف آپ کی حیات ہی میں مرادآباد سے شائع ہوئیں اورادارہ نعیمیہ لاہور،ازہر بک ڈپو کراچی،مکتبہ اہلسنت کراچی،نوری کتب خانہ لاہوراور مکتبہ فریدیہ کراچی نے بھی بعض کتابیں شائع کیں۔(نوری غفرلہ)

---

(۱) تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت ص ۳۴۳ مولفہ ڈاکٹر مجید اللہ قادری اور مولانا محمد صادق قصوری

آپ کے خلفاء کا تحریکِ پاکستان میں مثالی کردار:

جامعہ نعیمیہ مراد آباد، یوپی، انڈیا سے بے شمار علماء فارغ التحصیل ہوئے اور ہندوستان کے طول وعرض میں بکثرت دینی مدارس قائم کرنے میں پیش پیش رہے اور کئی کئی کتب کے مولف ومصنف کہلائے، پاک وہند کی متعدد دینی، تعلیمی، سیاسی تحریکات میں نمایاں طور پر حصہ لیا۔ ان میں بعض تو اپنے استاد وشیخ استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین محدث مراد آبادی علیہ الرحمۃ کے ہمراہ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس (۱۹۴۶ء) کے اجلاس میں شریک ہوئے اور انھوں نے ہندوستان کے ہر ہر شہر، اضلاع، گاؤں گاؤں تشریف لے گئے اور قیام پاکستان کے اغراض ومقاصد سے عوام کو نہ صرف آگاہ کرتے رہے بلکہ قیام پاکستان کے حصول کو ناممکن سے ممکن بنادیا۔

حضرت صدر الافاضل (علیہ الرحمۃ) کی طرح آپ کے مندرجہ ذیل مشاہیر تلامذہ وخلفاء نے بھی فکر رضا کو فروغ دینے میں نہ صرف اپنے استاد کا بھرپور ساتھ دیا بلکہ دینی وملی خدمات ادا کرنے میں پیش پیش رہے اور تاہنوز مصروف عمل ہیں۔

- علامہ ابوالبرکات سید احمد القادری علیہ الرحمۃ
- مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری علیہ الرحمۃ
- تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مراد آبادی علیہ الرحمۃ
    - علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی
    - علامہ مفتی محمد عبداللہ نعیمی علیہ الرحمۃ
    - مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی ابن مفتی محمد عمر نعیمی
    - ڈاکٹر مظاہر اشرف الاشرفی مدظلہ
- حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ

- مولانا شاہ محمد اجمل سنبھلی علیہ الرحمۃ
- علامہ مفتی ابوالخیر نور اللہ نعیمی بصیر پوری علیہ الرحمۃ
- مولانا شاہ سید محمد مختار اشرف الاشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ
- مولانا عتیق الرحمٰن تلسی پوری گونڈوی علیہ الرحمۃ
- مولانا حبیب اللہ بھاگلپوری علیہ الرحمۃ
- مولانا وصی احمد سہسرامی علیہ الرحمۃ
- مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی علیہ الرحمۃ
- مولانا عبدالعزیز خان فتح پوری علیہ الرحمۃ
- مولانا شاہ عبدالرشید خان فتح پوری علیہ الرحمۃ
- مولانا غلام قادر اشرفی، لالہ موسیٰ
- مولانا غلام فخر الدین گانگوی، میانوالی
- مولانا ابونعیم محمد صالح نعیمی، لاڑکانہ
- مولانا محمد علم الدین فرید کوٹی علیہ الرحمۃ
- علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری نعیمی علیہ الرحمۃ، سرگودھا
- مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمۃ
- علامہ مفتی محمد حسین نعیمی علیہ الرحمۃ، لاہور

آپ کے مشاہیر تلامذہ وخلفاء کرام جو تحریک پاکستان میں نمایاں خدمات انجام دے چکے ہیں۔ اُن کے مفصل سوانح وخدمات آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیجئے۔

حضرت استاذ العلماء ابوالبرکات سید احمد القادری الوری الاشرفی الرضوی

(المتوفی ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ)

ولادت:

آپ ۱۳۱۹ھ/مطابق ۱۹۰۲ء بمقام نواب پورہ ریاست ''الور'' میں پیدا ہوئے۔[1]

تعلیم:

اپنے والد حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد دیدار علی شاہ الوری[2] (علیہ الرحمۃ) سے ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر دارالعلوم قوت الاسلام ''الور'' کے فاضل اساتذہ جن میں مولانا پرول خاں صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی، مولانا عبدالکریم، مولانا ظہوراللہ، مولانا ارشاد علی الوری، مفتی زین الدین اور صوفی عبدالقیوم علیہم الرحمۃ کی زیرنگرانی درجہ وسطانیہ تک تعلیم حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کیلئے حضرت صدرالافاضل استاذ العلماء

---

[1] تذکرۂ علماء اہلسنت وجماعت لاہور، ص ۲۲ علامہ اقبال احمد فاروقی اور تذکرہ علماء اہلسنت کانپور۔ مولفہ مولانا محمود احمد قادری۔

[2] ہندوستان کے معروف ریاستوں میں سے ریاست ''الور'' ایک اہم ریاست ہے۔ اس ریاست میں بڑے بڑے جلیل القدر سنی علماء فقہاء محدثین، ادباء، شعراء پیدا ہوئے اور انھوں نے تحریک آزادی ہند اور تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی الوری سے دہلی پہنچے تھے اور انگریزوں کے خلاف فتویٰ صادر کرانے میں پیش پیش رہے تھے۔ جے پور اور ٹونک میں مسلمانوں کے بڑے بڑے دینی ادارے کام کر رہے ہیں، جودھپور شہر میں حضرت صدرالافاضل کے جلیل القدر خلیفہ مولانا مفتی اشفاق حسین نعیمی نے ایک عظیم الشان ادارہ قائم کیا ہے ہر سال ہزاروں طلباء علوم دینیہ کی اسناد لے کر فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔
(نوری غفرلہ)

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ کی خدمت میں مراد آباد پہنچے۔ وہاں شرح مسلم احمد اللہ، صحاح ستہ، علم طب، شمس البازغہ، میبذی، صدر اور افق المبین وغیرہ کی سبقاً تعلیم حاصل کی اور دورہ حدیث کے لیئے اپنے والد کی خدمت میں آگرہ پہنچے۔

۱۳۳۳ھ میں حدیث کی سند حاصل کی، لیکن والد گرامی نے مزید تعلیم کے لئے اپنے ہمراہ آپ کو ''مدرسہ منظر اسلام'' بریلی لے گئے ایک روایت کے مطابق صدر الافاضل بھی آپ کے ساتھ تھے اور دونوں حضرات کی درخواست پر حضرت ابوالبرکات دربار رضوی میں داخل کرادیئے گئے۔ چنانچہ آپ بریلی میں کئی سال تک برائے تعلیم مقیم رہے۔ اعلحضرت (رضی اللہ) نے آپ کو علم الفقہ ورسم المفتی، فقہ الحدیث، علم جعفر، علم توقیت، علم المنطق والفلسفہ اور علم الاخلاق والتصوف کی تعلیم دی، اور بعد فراغت آپ کے والد کے ساتھ آپ کو بھی ۱۹۱٦ء میں خلافت واجازت سے مشرف فرمایا۔[1]

سیاسی سرگرمیاں:

جب آپ بریلی سے پھر دوبارہ آگرہ پہنچے تو اس وقت آگرہ علماء دین اور علماء سیاست کا مرکز بن چکا تھا تحریک خلافت زوروں پر تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا عبدالحامد بدایونی کے بھائی مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا فاخرالہ آبادی خلافت کے پلیٹ فارم سے کانگریس کے حق میں تقاریر کرتے مگر مولانا دیدار علی شاہ الوری مفتی آگرہ اور مولانا سید ابوالرکات ان لوگوں کی مخالفت میں جلسے کرتے جس سے دونوں کی شہرت پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ پھر انہی دنوں

تفصیلات مولانا احمد رضا بریلوی اور علماء لاہور میں ملاحظہ کیجئے۔ (نوری)

اہلِ لاہور کی دینی و سیاسی سرگرمیوں میں مولانا دیدار علی شاہ الوری (علیہ الرحمتہ) کو جامع مسجد داتا گنج بخش کی خطابت کے لیے طلب کیا گیا تو آپ لاہور پہنچے اور حضرت نے پنجاب کے دل شہر لاہور میں تقاریر کر کے اہلِ پنجاب کو ایک نیا ذوق دیا۔

واضح رہے کہ انہی ایام میں داتا گنج بخش کی جامع مسجد زیر تعمیر تھی۔ غلام رسول (مرحوم) موجودہ عمارت بنوا رہے تھے محرم علی چشتی، سید محمد امین اندارابی اور خلیفہ مولوی تاج دین کے مشورہ سے آپ کو مسجد وزیر خاں میں تدریسی علوم دینیہ پر مامور کر دیا گیا، مسجد وزیر خاں میں ان دنوں حضرت مولانا دیدار علی شاہ الوری ہی خطابت فرماتے رہے تھے کہ سید صاحب کی محنت کی شہرت نے سارے پنجاب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا طلباء جوق در جوق لاہور پہنچنے لگے' اور مسجد وزیر خاں کے وسیع صحن میں دینی علوم حاصل کرنے والوں کے نہ رکنے والے جھمگھٹے لگ گئے، مرزا ظفر علی جج، ان دنوں مسجد وزیر خاں کے متولی تھے انہیں طالب علموں کے اجتماع سے سخت اختلاف تھا چنانچہ حضرت مولانا دیدار علی شاہ نے مسجد وزیر خاں سے استعفا دے دیا، اسی اثناء میں لاہور کے سنی علماء زعما نے لاہور جیسے عظیم اور قدیم شہر میں ایک دار العلوم کی ضرورت کو بڑی شدت سے محسوس کیا' چنانچہ قاضی حبیب اللہ' مولوی محمد دین حاجی شمس الدین جیسے جلیل القدر لوگوں نے مالی تعاون کیا اور مولانا محرم علی[1] چشتی نے حزب الاحناف لاہور کی بنیاد رکھی' اور ۱۵ مارچ ۱۹۲۶ء کو باقاعدگی سے تعلیم و تدریس کا آغاز ہو گیا۔ ان دنوں اس دار العلوم میں مولانا مہر الدین[2]، قاضی سراج الدین احمد[3] جیسے نامور شاگرد زیر تعلیم تھے انہی طلباء کے ساتھ سید صاحب نے ''لوکر شاپ'' کے سامنے

(۱،۲،۳) تفصیلات مولانا احمد رضا بریلوی اور علماء لاہور میں ملاحظہ کیجیے۔ (نوری)

نماز جمعہ پڑھانے کا آغاز کیا (الحمد للہ ۵ سال تک آپ وہاں جمعہ کی نماز ادا کرتے رہے) دار العلوم حزب الاحناف کا ابتدائی دور بڑا بے سروسامانی کا دور تھا' مسجد وزیر خاں سے نکلے تو لنڈا بازار، وہاں سے اٹھے' تو پکی دروازہ، پھروائی انگہ کی مسجد' اور بعد ازاں مائی لاڈو کی مسجد' میں تدریس جاری رکھی آخر کار ۱۵ مارچ ۱۹۲۶ء کو دہلی دروازہ کے اندر تین گنبدوں والی مسجد جو شیر شاہ سوری کے زمانے کی تعمیر شدہ تھی دار العلوم کے لیے منتخب کی گئی' مسجد کی صفائی ہوئی حضرت علامہ پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ نے ابتداء میں اپنی جیب خاص سے پانچ سو روپے مسجد کی صفائی پر خرچ کیا اور نو ماہ میں سنی دار العلوم اپنی تابانیوں سے جلوہ گر ہوگیا۔(۱) ابتدائی اساتذہ میں حضرت مولانا سید دیدار علی شاہؒ کے علاوہ سید ابوالبرکاتؒ، علامہ ابوالحسناتؒ، مولانا مفتی عبدالقیوم ہزارویؒ، مولانا عبدالحنانؒ جیسے لوگ شریک درس تھے سب سے پہلے جلسے میں پاک و ہند کے نامور سنی علماء و مشائخ کرام کا اجتماع ہوا، جس میں حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، حجتہ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا بریلوی، مولانا عبدالعزیز خان، فتح پوری مولانا رحم الٰہی، مولانا مشتاق احمد کانپوری، حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خان بریلوی ،مولوی عبدالمجید بانڈے والے، مولانا عبدالحمید بنارسی، صبغۃ اللہ شہید انصاری فرنگی محلی اور مولانا حشمت علی خان لکھنوی ثم پیلی بھیتی جیسے نامورانِ اہلسنت تشریف لائے۔(۲) اس جلسے نے پنجاب بھر میں دار العلوم کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے اور آگے چل کر

---

(۱) ماہنامہ ''الاشرف'' کراچی، دسمبر ۲۰۰۳ء نیز تذکرہ علماء اہلسنت لاہور ص ۱۲۲۔
مولفہ اقبال فاروقی مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور علماء لاہور مجید اللہ قادری دیکھئے۔(نوری)

۲) آپ کا شمار حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی اور حضرت علامہ ازہری شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کے تلامذہ و خلفاء میں ہوتا ہے آپ سے راقم الحروف نے علوم دینیہ کی ابتدائی کتب کے بعد بخاری شریف کے اسباق بھی پڑھے آپ سے علم حدیث میں مستفید ہونے والے طلباء میں ڈاکٹر محمد عبداللہ قادری، ڈاکٹر محمد احمد قادری مدظلہما اساتذان شعبۂ سیاسیات جامعہ کراچی بھی شامل ہیں۔(نوری)

''دارالعلوم حزب الاحناف'' نے سینکڑوں نہیں ہزاروں علماء کرام اور بڑے بڑے فاضلانِ روزگار پیدا کیے، جو آسمان شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ مولانا مہرالدین، قاضی سراج احمد، مولوی محمد علی، ابوالنور مولانا محمد بشیر کوٹلی لوہاران (سیالکوٹ)، مولانا حافظ مظہرالدین، مولانا غلام دین، مولانا عبداللہ قصوری اور حافظ محمد عالم سیالکوٹی، علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، سید محمود احمد رضوی، مولانا خلیل احمد قادری، مولانا غلام مہر علی چشتیاں، مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی، مولانا سلیمان (لسبیلہ، بلوچستان)، مولانا شبیر احمد اظہری کراچی، مولانا غلام یٰسین الامجدی الاعظمی[1] جیسے مایہ ناز فرزندانِ اہلسنّت کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

بیعت:

مولانا ابوالبرکات حضرت شیخ الاسلام علی حسین کچھوچھوی اشرفی (علیہ الرحمۃ) سے بھی مرید تھے اسی نسبت سے آپ اشرفی بھی کہلائے اور حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے ہمرکاب ۱۹۳۰ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور روحانیت کی دولت سے دامن مراد بھر کر لوٹے، وطن واپس لوٹے اور خدمت دین میں مستغرق ہو گئے۔

بداعتقاد لوگوں سے مقابلہ:

لاہور اُن دنوں بداعتقادیوں کے طوفانوں کی زد میں تھا' وہابی، دیوبندی، نیچری، مرزائی، اور قادیانیوں کے علاوہ کئی قسم کے دوسرے فتنے اٹھتے اور سنیت کے اس کوہ سے ٹکراتے آپ نے علماء دیوبند کے مولوی اشرف علی تھانوی (۱) کو لاہور

---

(۱) تفصیلات ''سیدی ابوالبرکات'' میں دیکھیے۔ (نوری)

میں مناظرے کے لیے للکارا' مگر وہ مقابلے پر نہ آئے پھر آپ نے مولوی احمد علی لاہوری (۲) کا مقابلہ کیا' مولانا ظفر علی خان (۳) کی ''زمیندار'' کی خرافات کا بھر پور طور پر علمی جواب دیا۔ مشرقی (۴) کے غلط مذہب کا پوسٹ مارٹم کیا مرزائیوں (۵) سے مناظرے کیے' اور چکڑالیوں (۶) کو چاروں شانے چت گرایا' اس سلسلہ میں آپ کی مشہور ترین تحریریں جن میں مناظرہ ''فتح المبین'' ضیاء القنادیل سامنے آئیں اس حق گوئی کے سلسلہ میں آپ پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے۔ مگر آپ نے اپنا کام جاری رکھا۔[۱]

☆ راقم الحروف سے محبت:

آپ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۷۸ء تک دارالعلوم حزب الاحناف کے قرآن وحدیث وفقہ کے شیخ الحدیث رہے اور وہاں کی فضاؤں کو منور فرماتے رہے آپ ۱۹۶۸ء میں شدید بیمار ہوئے تو علاج کے لیے استاذی المکرم سیدی حضرت علامہ الحاج عبدالمصطفیٰ الازہریؒ شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی نے آپ کو لاہور سے کراچی بلالیا تھا، حضرت ابوالبرکات تقریباً چھ ماہ تک دارالعلوم امجدیہ کراچی میں مقیم رہے، اور حضرت کی خدمت کے لیے استاذی المکرم علامہ ازھریؒ نے راقم الحروف کی ذمہ داری لگا رکھی تھی، راقم الحروف کو اس سعادت الٰہیہ پر بے انتہا فخر ہے۔ کہ سیدی ابوالبرکات نے دارالعلوم امجدیہ کراچی کے قیام میں راقم الحروف اور دیگر طلباء کو رسم الافتاء کا سبق دیا، حضرت سیدی ابوالبرکات کی خدمت کے ساتھ ساتھ راقم کو علم فقہ کی معروف کتاب ہدایہ اولین علم المنطق میں قطبی وشرح تہذیب کے بعض اسباق پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت سیدی مسلسل بیمار رہنے لگے تھے جب

راقم الحروف ۱۹۷۹ء ریاض سعودی عرب جامعہ الاسلامیہ محمد بن سعود میں زیر تعلیم تھا تو معلوم ہوا کہ علم و عمل کا یہ پیکر عظیم طویل علالت کے بعد ۲۴ ستمبر ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ کو دنیا سے رخصت ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اور دارالعلوم حزب الاحناف میں ہی آپ کا مزار مبارک بنا، آپ کی اولاد میں حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی شارح بخاری مسمّٰی ''فیوض الباری فی شرح البخاری'' نے آپ کی جانشینی کا باحسن وخوبی حق ادا کیا[1]۔

مورخین کے مطابق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جب فتاویٰ رضویہ کی جلد اول حسنی پریس بریلی میں چھپوانے کا اہتمام فرمایا تو اس کی نظر ثانی اور طباعت کی مکمل ذمہ داری آپ ہی پر رکھی گئی تھی، پھر بہار شریعت (مولفہ مولانا امجد علی اعظمی) کی ابتدائی حصے ابو العلائی پریس آگرہ سے آپ نے ہی طبع کرائے، سینوں کے تاریخی رسالہ ماہنامہ سواد اعظم مرادآباد کا پہلا شمارہ مرادآباد سے آپ کی ادارت میں شائع ہوا۔

دینی وسیاسی تحریکات میں حصہ:

آپ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے بانین میں سے تھے ۱۹۴۶ء میں ۲۷ اپریل اور ۳۰ تک تقریبا پانچ صد علماء ومشائخ کی آراء سے جو تجاویز اور قرار دادیں منظور ہوئیں ان میں آپ پیش پیش تھے اور تحریک پاکستان کے لیے ہر قسم کی کمیٹیوں میں آپ کا اسم گرامی شامل رکھا گیا۔

آپ نے تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لیے جو گراں قدر خدمات

---

(۱) (نوری غفرلہ)

انجام دیں اس کو قطعی فراموش نہیں کیا جا سکتا، ۱۹۴۶ء میں آپ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں لاہور سے علماء ومشائخ کی ایک جماعت لیکر شریک ہوئے تھے اور مطالبہ پاکستان کے حق میں نعرہ بلند کیا تھا۔ اس جماعت میں آپ کے صاحبزادے علامہ سید محمود احمد رضویؒ بھی تھے۔ لاہور میں ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا عظیم الشان جلوس آپ ہی کی قیادت میں نکلا تھا، اس میں آپ کے بھائی مولانا سید ابوالحسنات احمد قادری صدر جمعیت علماء پاکستان اور بھتیجے مولانا خلیل احمد قادری[1] اور بیٹے مولانا سید محمود احمد رضویؒ پیش پیش تھے۔

تمام ہی علماء اہلسنت گرفتار ہو چکے تھے، دار العلوم حزب الاحناف ہی تحریک کا مرکز بنا رہا، اسی طرح ۱۹۶۸ء اور ۱۹۷۰ء میں جمیعت علماء پاکستان کے احیاء میں بھی آپ کا نمایاں کردار رہا، آپ کی صدارت میں جمیعت علماء پاکستان کی پارلیمانی بورڈ کا انتخاب ہوا اور حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کو جمیعت کا پارلیمانی لیڈر منتخب کیا گیا تھا۔ آپ کی معیت اور قیادت میں آپ کے تلامذہ وخلفاء نے بھی دینی وسیاسی تعلیمی تحریکات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سیاسی وسماجی خدمات کے ساتھ ساتھ بے شمار دینی مدارس قائم کیے، آپ نے تقریباً ۵۰ سال تک لاہور اور پنجاب کے دیگر علاقوں میں خدمت دین کا فریضہ انجام دیا اور ۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت کی بھرپور قیادت کی تھی ۹؍جنوری ۱۹۷۴ء میں آپ کو تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان کا مرکزی صدر منتخب کیا گیا۔ آپ کا شمار اکابرین اہلسنت وجماعت اور اجلہ خلفاء اعلیٰ حضرت

(۱) آپ سے لاہور کراچی دار العلوم امجدیہ اور سانگلہ کے سنی کانفرنسوں میں ملاقاتیں رہیں آپ اپنے والد کے حقیقی پرتو تھے، آپ کی تفصیلات ماہ نامہ اشرف کراچی میں مطبوعہ ہے۔ (نوری)

فاضل بریلوی میں بھی ہوتھا۔آپ پہلے اشرفی نعیمی اور بعد میں رضوی کہلائے۔

آپ نے دارالعلوم حزب الاحناف لاہور سے جو اسناد جاری فرمائے اس کا ایک نمونہ صفحہ آخر پر ملاحظہ فرمائیے۔

مراجع وحواشی

۱) تعارف علامہ اہلسنت، مولانا محمد صدیق ہزاروی

۲) تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت لاہور رمولفہ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ص ۳۲۰ مطبوعہ مکتبہ بنوریہ لاہور رمئی ۱۹۸۷ء

۳) سیدی ابوالبرکات رعلامہ سید محمود احمد رضوی رمطبوعہ لاہور

۴) مولانا ابوالعظیم ابوالنور مولانا محمد بشیر کوٹلی لوہاران سیالکوٹ

۵) ابوالبرکات اپنے مکتوبات کے آئینے میں رمولفہ مولانا محمد محب اللہ نوری

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری علیہ الرحمۃ

(المتوفی (۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء)

حضرت مولانا الشاہ سید دیدار علی الوری (خلیفہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ) کے فرزند اکبر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (۱۳۱۴ھ۔۱۸۹۶ء) میں ریاست ''الور'' (بھارت) میں پیدا ہوئے۔آپ کے آباؤ اجداد مشہد ایران کے سادات سے تھے جہاں سے مغلیہ دورِ حکومت میں بسلسلہ تبلیغ اسلام ہندوستان آئے۔ اس خاندان کے سب سے پہلے بزرگ جو ہندوستان تشریف لائے وہ سید اسماعیل شاہ قادریؒ تھے۔آپ بڑے ہی باکرامت صاحب علم اور پابند سنت تھے آپ بلگرام ''فرخ آباد'' یوپی سے ہوتے ہوئے ''الور'' میں قیام پذیر ہوئے۔انہی کے پڑپوتے سید نثار علی شاہ اپنے زمانے کے مشہور عالم دین اور صاحب عرفان بزرگ گزرے ہیں۔[1]

ابتدائی تعلیم:

مولانا ابوالحسنات کی عمر ابھی پانچ سال تھی کہ آپ کو ''مفتی زین الدین'' مرحوم کے مدرس میں داخل کرایا گیا جہاں حافظ عبدالحلیم اور حافظ عبدالغفور سے حفظ قرآن مکمل کیا۔حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ مرزا احمد بیگ مرحوم سے اردو وفارسی کی کتب مروجہ کا مطالعہ کیا اور فن تجوید پر قاری ''قادر بخش'' صاحب مرحوم الوری کی نگرانی میں آپ نے مہارت حاصل کی۔[2]

(۱) ملاحظہ ہو الیواقیت المھریہ، مولانا غلام مہر علی چشتیاں پنجاب۔

(۲) تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت لاہور، ص ۳۱۵، مولفہ صاحبزادہ اقبال احمد قادری ایم اے

۱۹۰۸ء میں آپ حفظ قرآن، اردو و فارسی، انشاء پردرازی اور قرأت و تجوید میں خاصی دسترس حاصل کر کے فارغ ہوئے۔[۱]

اساتذہ:

آپ نے پندرہ سال کی عمر میں جلالین، تفسیر بیضاوی، کتب احادیث، منطق، فقہ و اصول فقہ اور ادب عربی میں مکمل عبور حاصل کر لیا۔

مزید علمی فقہی کتب کا درس استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور اعلیٰ حضرت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی سے لیا اور اسناد فضیلت حاصل کیں اور علم طب نواب حامی الدین خاں مرادآبادی سے سیکھا۔[۲]

مولانا ابوالحسنات ایک متجسس اسکالر کی طرح حصول تعلیم و تبلیغ اسلام کے سلسلے میں ابتدائے عمر میں شہر شہر، قریہ بقریہ اور مکتب بہ مکتب گئے۔ ہر صاحب علم کے پاس پہنچے۔ زانوئے ادب تہ کیا اور دامن مراد بھرا۔ آپ کے طالب علمی کے زمانے کی ایک ذاتی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بمبئی، جے پور، بھرت پور، دہلی، آگرہ، متھرا، لاہور، ملتان، پشاور، بریلی، رام پور، بدایوں، پیلی بھیت، غرضیکہ برصغیر کے ہر قصبہ و شہر میں علم کی خوشہ چینی کے لیے قیام کیا۔

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم
ز ہر خرمئے خوشۂ یافتم

مسجد ''تریولیہ'' کی شہادت:

آپ علوم دینیہ سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ ''الور'' کی مسجد ''تریولیہ''

---

(۱) حوالہ بالا ص ۳۵۵

(۲) تذکرۂ علماء اہلسنت۔ مولفہ محمود احمد قادری کانپور۔

ہندوؤں نے شہید کردی۔ اس واقعہ نے مسلمانانِ ''الور'' میں رنج واضطراب کی لہر دوڑادی۔ جواں سال ''ابوالحسنات'' کو مسجد کی ناموس نے پکارا اور ملکی سیاست میں کود پڑے۔ مسجد کی تعمیرِ نو اور بحالی کے لیے جدوجہد کرنے لگے اور زورِ خطابت سے مسلمانوں کے سینوں میں آگ لگادی۔ سٹی پولیس نے آپ کو گرفتار کرلیا مگر مسلمانوں کی منظم جدوجہد نے مہاراجہ ''الور'' کو مجبور کردیا کہ مسجد کو واگزار کرنے کا حکم دے اور پھر اسے سرکاری خرچ پر از سرِ نو تعمیر کرایا اور ابوالحسنات کو رہا کردیا گیا۔

یاد رہے کہ اس زمانے میں ریاستی عوام کی زندگیاں اور مال ودولت والی ریاست کے رحم وکرم پر ہوا کرتی تھیں۔ ان کے حکم یا فیصلہ کے خلاف احتجاج بھی جرم تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس وقت کے راجاؤں کے ریاستی جور واستبداد کی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو ریاستی رعایا کو تو عام انسانی حقوق بھی حاصل نہ تھے۔ ایسے دور میں احتجاج کرکے یا ایک منظم تحریک سے ایک مقصد حاصل کرلینا بڑی بات ہے۔

اولاد واخلاف:

آپ ابھی سولہ ۱۶ سال کے ہی تھے کہ آپ کی شادی کردی گئی۔ یہ شادی آپ کے خاندان کی ایک معزز شخصیت اور زبان فارسی کے مدرس حسین الدین مرحوم کی نواسی سے بمقام ''تجارہ'' میں ہوئی۔ آپ کے چار لڑکے، تین لڑکیاں ہوئیں، ان میں حضرت مولانا امین الحسنات سید خلیل احمد صاحب قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور آپ کی علمی اور عملی زندگی کی قابلِ یادگار تھے جن کا ۱۹۹۹ء میں لاہور میں انتقال ہوگیا۔ آپ محکمہ اوقاف کے مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ مشیر معاملات مساجد وزرات رہے، زونل خطیب رہے اور اپنے عہدے پر خوش اسلوبی سے کام کرتے رہے۔ آپ

بڑے سلجھے انداز میں گفتگو فرماتے اور بڑے دردمند نوجوان تحریک ختم نبوت میں جب آپ کو لاہور کے قلعے میں تشدد کی روایات سے دوچار ہونا پڑا تو آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ آپ کو موت کے خوف سے ڈرایا گیا' تختہ دار پر لایا گیا مگر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ثابت قدم رہے۔

تصانیف:

مولانا ابوالحسنات قلمی تبلیغ کو منظم پیمانے پر رواج دینے کی خواہش رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسلامی موضوعات پر مختلف کتابیں لکھیں تاکہ ملک کے گوشے گوشے سے اہل علم استفادہ کرسکیں۔ آپ کی تصانیف جو آج تک شائع ہوچکی ہیں۔ ان میں سے چند کے نام درج کیے جاتے ہیں۔

۱) تفسیر الحسنات۔ (مطبوعہ رضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔)

۲) اوراقِ غم۔

۳) صبحِ نُور۔

۴) الناصح۔

۵) طیبُ الوَردۃ علی قصیدۃ البُردۃ (تازہ ایڈیشن مکتبہ نعمانیہ رسیالکوٹ۔)

۶) مسدس حافظ الوری۔

۷) مخمس حافظ

۸) دیوانِ حافظ اردو

۹) ترجمہ کشف المحجوب (مکتبہ المعارف لاہور)

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ آپ کے قلم سے متعدد رسالے تصنیف ہوئے

جو ہنگامی اور سیاسی تحریکوں پر بڑے کام آتے تھے۔

لاہور میں آمد:

۱۹۲۰ء میں آپ ''الور'' کو چھوڑ کر آگرہ میں قیام پذیر ہوئے اور ایک مطب جاری کیا مطب گلاب خانہ آگرہ میں تھا جو تھوڑے عرصے میں خدمت خلق کا ادارہ بن گیا۔ ۱۹۲۲ء میں آپ کے والد حضرت علامہ سید دیدار علی شاہ صاحب (رحمتہ اللہ علیہ) آگرہ سے لاہور پہنچے اور مسجد وزیر خاں کے خطیب مقرر ہوئے تو مولانا ابوالحسنات ان دنوں ایک بہترین قاری شعلہ بیاں خطیب، شاعر اور ماہر طبیب کی حیثیت سے شہرت حاصل کر چکے تھے۔ والد مکرم کے استعفاء کے بعد مرزا ظفر علی خاں (ریٹائرڈ جج) متولی مسجد وزیر خاں کے اصرار پر آپ مسجد وزیر خاں کے خطیب اور مفتی مقرر ہوئے۔

ان دنوں آپ اپنے خاندان سمیت لنڈے بازار کے ایک مکان میں قیام پذیر ہوئے اسی زمانے میں دہلی دروازے کے اندر ''چنگڑ محلہ'' میں ایک ویران مسجد کی تعمیر وتوسیع کا منصوبہ بنایا گیا جس میں آپ کے والد اور برادر محترم علامہ ابوالبرکات سید احمد القادری کے ساتھ مل کر مسجد کی تعمیر اور دارالعلوم حزب الاحناف کی تشکیل میں حصہ لیا۔ یہ سنیوں کا ایک عظیم دینی ادارہ تھا جو نصف صدی تک سنیوں کے علوم وفنون کا مرکز رہا تھا۔ یہاں سے بڑے بڑے علماء، فقہاء، مفتی، مقرر، خطیب اور ادیب ومناظر فارغ التحصیل ہوئے اور دنیائے علم وفضل پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس دارالعلوم کے شاگرد موجودہ دینی درسگاہوں کے شیخ الحدیث، شیخ الفقہ اور کئی کتب کے مصنف اور شارح بخاری

ہوئے۔

لاہور کی سیاسی فضاء:

واضح رہے کہ ۱۹۲۶ء سے لے کر قیام پاکستان تک لاہور سیاسی تحریکوں کا مرکز بنا رہا اور اہلِ لاہور نے سیاسی قیادت پر ہمیشہ اچھے اثرات مرتب کیے۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ جس تحریک کہ اہلِ لاہور نے قبول کرلیا وہ سارے ہندوستان پر چھا گئے یہ سیاسی تحریکوں اور دینی مباحث انگریز کے پھیلائے ہوئے خیالات اور غلامی کے خلاف ایک احتجاج تھا حضرت مولانا ابوالحسنات ان ایام میں لاہور میں مقیم تھے ہر سیاسی اور دینی تحریک کا جائزہ لیتے اور ان میں اپنا کردا ادا کرتے۔

کشمیر چلو کی مہم، مسجد شہید گنج کی تحریک، خاکسار موومنٹ، احرار کشمکش، مجلس اتحاد، شہادت علم الدین، مولانا ظفر علی خاں کا دم مست قلندر، دھر رگڑھ، پھر تحریک آزادی ہند اور قیام پاکستان جیسی تحریکیں ابھرتی رہیں اور مولانا ہمیشہ حق کی آواز پر لبیک کہتے رہے وہ بلا خوف تنقید اپنے خیالات کا اظہار کرتے پاکستان بننے کے بعد قرارداد مقاصد، تحریک آزادی کشمیر اور پھر تحریک ختم نبوت میں مرکزی کردار کی حیثیت سے آگے بڑھے۔ علماء ومشائخ کے علاوہ عوام الناس نے آپ سے پورا پورا تعاون کیا نظریہ پاکستان کی تائید وحمایت میں لاہور کے وہ پہلے عالم دین ہیں جو بنارس سنی کانفرنس میں شریک ہوئے اور ایک تاریخی ریزولیوشن پاس کروائے، قائد اعظم کو یقین دلایا کہ برصغیر کی عظیم سنی اکثریت مطالبہ پاکستان میں آپ کے ساتھ ہے۔ آپ نے قیام پاکستان کی حمایت میں بڑی تن دہی سے کام کیا یہ وہ زمانہ تھا

کہ دیو بندی مکتب فکر کے علماء جمیعتہ العلماء ہند اور کانگریس میں شمولیت کی وجہ سے گاندھی اور نہرو کی حمایت میں فتوے دیتے اور مسلمانوں کو اپنی علمی وجاہت سے مطالبہ پاکستان سے روکتے تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کے علاوہ اس دور کا، دیو بندی طبقہ مسلمانوں کی اس فکری تحریک سے دور ہی رہا، بلکہ مسلمانوں کو دور کرتا رہا۔ مولانا ابوالحسنات اور دوسرے سنی علماء نے ان نام نہاد علماء کا مقابلہ کیا اور عوام پر ثابت کر دیا کہ نیشنلسٹ علماء اپنے مقام سے کتنے بے خبر ہیں۔؟

حج بیت اللہ:

۱۹۴۵ء میں آپ پہلی بار حج کو روانہ ہوئے۔ دیارِ حبیب میں عربی زبان میں تقاریر کیں۔ یہ تقاریر اتنی فصیح و بلیغ تھیں کہ دنیائے اسلام سے آئے ہوئے علماء نے آپ کی تقریر کو سراہا اور خراج تحسین پیش کیا۔ گنبد خضرا کے سامنے کھڑے ہو کر آپ کے دل پر کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ قصیدہ بردہ پڑھتے اور بارگاہِ رسالت میں ہدیہ عقیدت پیش کرتے۔ واپسی پر آپ نے قصیدہ بردہ کی اردو میں شرح کی جو بعد میں "طیب الوردۃ فی شرح قصیدہ البردۃ" کے نام سے شائع ہوئی یہ کتاب اہل دل وایمان کے لیے اب بھی سرمایہ جان وایمان ہے (حال ہی میں لاہور سے اس کا دوسرا ایڈیشن بھی طبع ہوا ہے۔)

مسلم لیگ ایجی ٹیشن:

آپ نے تحریک قیام پاکستان میں نمایاں کردار کا مظاہرہ کیا علماء ومشائخ کے وفد مرتب کیئے پنجاب کے ہر شہر ہر قصبہ کی طرف نکل پڑے "خضر وزارت" کی ساری سختیوں کے باوجود اپنی مہم میں مصروف رہے آخر کار گرفتار کر لیئے گئے اس ملک

کی آزادی اور قیام پاکستان کے لیے آپ نے قید وبند کی صعوبتوں کو لبیک کہا۔ یہ آپ کی جدوجہد آزادی کا نتیجہ تھا کہ شیوخ کے لاکھوں مرید اور علماء کے ہزاروں شاگرد مطالبہ پاکستان کے حامی بن گئے۔ مسلم لیگ نواب زادوں کے محلات سے نکل جا پہنچی۔ قائداعظم نے مولانا کی کوششوں کو بڑا سراہا اور ایک خط میں مولانا کا شکریہ ادا کیا۔

جمعیۃ العلماء ہند اور جمعیۃ العلماء پاکستان کے درمیان فرق:

ہندوستانی علماء کا ایک طبقہ مسلم لیگ کے نعرۂ پاکستان کی اس لیے مخالفت کررہا تھا کہ ان کے راہ نما کانگریس کے اراکین میں سے تھے مولانا ابوالکلام آزاد کا اثر علماء دیوبند پر تھا مولانا حسین احمد مدنی تو مکمل طور پر کانگریس کے زیراثر تھے دیوبندی مکتب فکر کے سارے علماء اپنے ان اماموں کو دیکھ کر مسلم لیگ کے مطالبہ کے خلاف ہوگئے، مسلمان چونکہ فطرتاً مذہب پر جان دیتا ہے اس نے علماء کے ایک طبقے کو پاکستان کے خلاف پاکر بڑا ذہنی اضطراب محسوس کیا۔ چنانچہ ان دیوبندی علماء نے جمعیۃ العلماء ہند کے نام سے ایک سیاسی جماعت کو تشکیل دیا اور دوقومی نظریہ کے خلاف محاذ آرائی کرنے لگے۔ اسی جمعیۃ میں ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو عقیدۃً دیوبندی نہ تھا اور پاکستان کا حامی تھا۔ انہوں نے جمعیۃ العلماء ہند کے خلاف آواز اٹھائی اور جمعیۃ العلماء ہند کے کانگریسی علماء سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک اور جمعیۃ کی تشکیل کا فیصلہ کیا چنا۔ نچہ نظریہ پاکستان کے حامی دیوبندی اور سنی علماء ''جمعیۃ العلماء اسلام'' کے نام سے ایک نئی سیاسی اور دینی جماعت کے پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے تاکہ نظریاتی بنیادوں سے ہٹ کر صرف سیاسی اور پاکستان کے استحکام کے لیے

کام کیا جائے چنانچہ جمعیۃ العلماء اسلام نے ان لوگوں کو سنبھالا، جو علماء دیوبند کے سیاسی کردار سے مایوس ہو چکے تھے۔ اس جماعت میں علماء اہل سنت کے علماء بھی شریک ہو گئے۔ علماء دیوبند میں ایسے علماء بھی تھے جو دوقومی نظریہ کے حامی تھے مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سعید احمد اور میاں محمد صاحبان کے احترام کے باوجود مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا احتشام الحق تھانوی جیسے با اثر علماء دیوبند ، جمعیۃ العلماء اسلام کے ستون بن گئے اور نظریہ پاکستان کی تائید کرنے لگے۔

جمعیۃ العلماء اسلام اور جمعیۃ العلماء پاکستان:

تحریک پاکستان کو علمی اور دینی رنگ دینے کے لیئے ملک کے علماء کرام نے جمعیۃ العلماء اسلام کی تشکیل کی تو مولانا شبیر احمد عثمانی اپنے ہم فکر علماء سے بددل ہو کر تحریک پاکستان کے زبردست مبلغ بن گئے اور علماء نے اس وقت انہیں صدر چن لیا، چونکہ اس جمعیۃ میں دیوبندی علماء کی اکثریت تھی، اس لیے علماء اہل سنت کو صحیح معنوں میں نمائندگی نہیں مل سکی۔ بعض دیوبندی علماء حضرات نے تو یہاں تک تجویز پیش کی کہ جمعیۃ العلماء اسلام کی دو شاخیں بنا دی جائیں۔ ایک میں سنی اور دوسری میں دیوبندی جمع ہو کر کام کریں۔ ایک شاخ کی صدارت مولانا ابوالحسنات کے سپرد کر دی جائے اس طرح دیوبندیوں کا کھویا ہوا وقار بحال ہو جائے گا۔ چنانچہ قیام پاکستان کے چند ہفتے پیشتر جمعیۃ العلماء اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس اسلامیہ کالج لاہور کے گراؤنڈ میں ہوئی، جس میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے پاکستان کے حق میں زبردست تقریر کی۔ دوسرے اجلاس کی صدارت مولانا ابوالحسنات نے کرنا تھی، مگر اہلسنّت کے اکابرین نے جن میں حزب الاحناف کے سرکردہ عمائدین اہلسنّت پیش پیش تھے،

آپ کو روک دیا اور ان علماء سے مفاہمت اور تعاون سے منع کر دیا، جو ابھی تک پاکستان کے خلاف زہر اگل رہے تھے،اس طرح جمعیۃ العلماء اسلام سنی علماء کا تعاون حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ چنانچہ اس جمعیۃ کی نظامت کچھ عرصے کے لیے چودھری عبدالکریم لعل خاں صاحب اور علامہ علاء الدین صدیقی سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کے سپرد کردی گئی۔ اسی دوران مولانا عثمانی صاحب تو دستور ساز اسمبلی میں چلے گئے اور جمعیۃ العلماء اسلام علمی وسیاسی قوت بننے کی بجائے خالصتاً دیوبندی علماء کا مجمع بن کر رہ گئی۔

مولانا عثمانی کے بعد جمعیۃ العلماء اسلام کا ایک خاص اجلاس ''فیض باغ'' لاہور کے ایک مولوی مطیع الحق کی اس جدوجہد سے شروع ہوا لیکن یہ کوشش تھی کہ علماء دیوبند پر ''خلافِ پاکستان'' جو الزام ہے، اس سے کس طرح نجات حاصل کی جائے؟۔اس اجلاس میں متفقہ طور پر مولانا ابوالحسنات کو صدر چن لیا گیا اور اس طرح سنیوں کا اعتماد حاصل کرنے کی ایک اور کوشش کی گئی، مگر چند روز گزرنے کے بعد دیوبندی عقیدے کے انتہا پسند علماء نے ایک سنی عالم کی صدارت کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور وہ صدارت کے تعاون سے دست کش ہو گئے بایں ہمہ مولانا ابوالحسنات اس بے روح ڈھانچے میں تازہ زندگی پہنچانے کی کوشش کرتے رہے مگر ناکام ہو گئے، چنانچہ مستعفی ہو کر جمعیۃ کو ان لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا جو اسے اپنے مخصوص مقاصد کے لیے چلانا چاہتے تھے۔(۱)

واضح رہے کہ مورخین نے مولانا کی اس اہم ملی خدمات کو تحریر کرنے سے

---

(۱) بتصرف تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت لاہور، ص ۳۲۶،مولفہ علامہ فاروقی

تاریخی ظلم کیا ہے جو انہوں نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو پہلی دستور ساز اسمبلی میں ادا کیا تھا اور اس اسمبلی میں قرارداد مقاصد پیش کی گئی تھی اس اسمبلی میں مولانا کی مساعی کا بڑا حصہ تھا آپ نے عوام وخواص کے دلوں پر یہ بات نقش کردی تھی کہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اسلام اور صرف اسلام کے نام پر کیا ہے لہذا پاکستان کا دستور بھی اسلامی بنیاد پر ہونا چاہئے۔

۴ر مارچ ۱۹۴۸ء کو غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی ناظم اعلیٰ مدرسہ انوار العلوم ملتان (و سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاول پور) نے مولانا ابوالحسنات کو ایک مفصل خط لکھا، اور اہل سنّت و جماعت کی بے نظم زندگی پر بڑا دردمندانہ اظہار خیال کیا، اور حضرت کو آمادہ کیا کہ ہم مل کر کام کریں۔

اس خط کے بعد ۲۶۔۲۷۔۲۸ر مارچ ۱۹۴۸ء کو ملتان میں پاکستان بھر کے سنی علماء کی عظیم الشان کانفرنس بلائی گئی۔اس کانفرنس میں ملک بھر کے سنی علماء ومشائخ نے بنام ''جمعیۃ العلماء پاکستان'' ایک سیاسی تنظیم کی بنیاد رکھی، اور مولانا ابوالحسنات کو اس کا پہلا صدر منتخب کیا گیا، جب کہ علامہ سعید کاظمی ناظم اعلیٰ منتخب کیے گئے۔[1]

تاریخی اعتبار سے قیام پاکستان سے پہلے برصغیر کے سنی علماء و مشائخ کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (علیہ الرحمۃ) کے خلیفہ اور معتمد ساتھی حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی نے (۱۹۲۵ء۔۱۳۴۴ء) میں برصغیر کے اعاظم اور اکابر اہلسنت و مشائخ القادر چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، اشرفیہ، فردوسیہ کو

---

(۱) روئیداد مرکزی جمعیۃ علماء پاکستان لاہور، تذکرہ اکابر اہلسنت پاکستان، مولفہ علامہ شرف القادری

مدرسہ نعیمیہ مرادآباد میں جمع کیا اور آل انڈیا سنی کانفرنس (یعنی الجمعیۃ العالیہ المرکزیہ) کی بنیاد رکھی گئی تھی، جس کے ناظم اعلیٰ حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین کو منتخب کیا گیا تھا جب کہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی اس مجلس کے صدر بنے، اور صدارت حضرت شیخ المشائخ علی حسین اشرفی الجیلانی کچھوچھویؒ کے نواسے حضرت علامہ سید محمد اشرفی الجیلانی کچھوچھویؒ کے حصہ میں آئی تھی اور مستقل صدر حضرت محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ (علیہ الرحمۃ) (۱۳۷۰ھ۔۱۹۵۱ء) منتخب کیے گئے تھے اور قیام پاکستان کے بعد ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء میں انوار العلوم ملتان کے کانفرنس میں اس کا نام تبدیل کر کے جمعیۃ العلماء پاکستان رکھ دیا گیا۔[1] جب کہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی (علیہ الرحمۃ) نے سنی مسلمانوں

---

(۱) بقول ڈاکٹر سید مظاہر اشرف الجیلانی مدظلہ، حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، حضرت محدث اعظم ہند مولانا سید محمد الجیلانی الاشرفی کچھوچھوی، حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی، حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم الصدیقی میرٹھی حضرت مولانا شاہ محمد عبدالحامد بدایونی، حضرت مولانا شاہ ابوالبرکات لاہور، حضرت مولانا مفتی صاحب داد خان سندھ علیہم الرحمۃ کے مشورہ کے بعد ہی حضرت کاظمی علیہ الرحمۃ نے ۱۹۴۸ء میں انوار العلوم ملتان میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا نام بدل کر جمیعۃ علماء پاکستان رکھا گیا اور حضرت مولانا شاہ سید محمد الجیلانی کچھوچھوی کے ہدایت کے بموجب آل انڈیا سنی کانسرنس بنارس کے نام سے جو عطیات جمع ہوئے تھے ان میں سے دو ہزار روپے رہ گئے تھے وہ اور سنی کانفرنس کے دفتر کے ساز وسامان اور کاغذات وغیرہ حضرت مولانا، صاحب داد خان سندھ کی تحویل میں دے دیئے گئے۔ اس طرح انڈیا میں سنی کانفرنس کا عملاً وجود ختم ہو گیا اور ۱۹۵۰ء میں مولانا محبوب علی خان لکھنوی کی سربراہی میں آل انڈیا سنی جمعیۃ علماء کے نام سے کام کا آغاز کر دیا گیا بعد میں اس کے سربراہ سید العلماء مولانا آل مصطفیٰ المارہروری کو بنایا گیا۔ (نوری)

کی سیاسی خدمات اور دفاع کے لیے جماعت رضائے مصطفیٰ اور تحریک انصار الاسلام جیسے تنظیموں کو بریلی میں خود قائم فرمایا تھا اور بعد میں انہی تنظیموں کے پلیٹ فارم سے خلفاء اعلیٰ حضرت نے کئی سیاسی و دینی سربراہوں سے ملاقات کی تھی اور موقف رضویہ کو پہنچانے میں نمایاں کردار کا مظاہرہ کیا تھا۔ نیز تحریک خلافت، تحریک موالات، تحریک شدھی، تحریک وہابیت، تحریک ندوہ، وغیرہ کا بھی مقابلہ کیا گیا تھا، گویا جمعیت العلماء پاکستان کا نام مقتضائے حالات وزمانہ تبدیل ہوتا رہا اور حقیقی و معنوی اہداف ومقاصد وہی تھے جو امام اہلسنّت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے ترتیب دیئے تھے۔

جمعیۃ المشائخ:

مولانا ابو الحسنات نے جمعیۃ کی صدارت سنبھالتے ہی پورے ملک کا زبردست تبلیغی دورہ کیا اور ہر ضلع میں ناظم مقرر کیے۔ ہر قصبہ میں شاخیں قائم کی گئیں اور جدید تقاضوں کے مطابق سنیوں کی تنظیم کا کام شروع ہوا۔ مجلس عاملہ نے محسوس کیا کہ جب تک مشائخ کی امداد اور تعاون حاصل نہ ہوگا، اس وقت تک کام صحیح خطوط پر نہیں ہو سکے گا۔ چنانچہ ''جمعیۃ المشائخ'' کی بھی تشکیل کی گئی۔ ۷ رمئی ۱۹۴۸ء کو ملک کے مقتدر مشائخ اور سجادہ نشینان پاکستان کا ایک اجتماع لاہور میں بلایا گیا، اس اجتماع میں نہ صرف مشائخ نے ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی، بلکہ یوم شریعت منا کر حکومت پاکستان کو ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ پر زور دیا گیا اور ساتھ ہی علماء ومشائخ کو یکجا ہو کر کام کرنے کا اعلان کیا گیا، مشائخ کے اسی اجتماع میں حضرت مولانا ابو الحسنات کو تاحیات جمعیۃ العلماء پاکستان کا صدر منتخب کیا گیا، اسی دوران آپ نے تحریک آزادی کشمیر کے لیے بڑا کام کیا اور آپ نے اس سلسلہ میں علماء و

مشائخ کی مدد سے نظریہ پاکستان اور جہاد کشمیر کے لیے عوام کو جمع کیا، بعد میں کراچی سے مولانا عبدالحامد بدایونیؒ، مولانا مفتی جمیل احمد نعیمی مدظلہ، مولانا غلام قادر کشمیریؒ بھی کراچی کے عطیات اور دیگر ساز وسامان لے کر مجاہدین کشمیر کی مدد کے لیے تشریف لے گئے۔

اہلسنت کی بدقسمتی رہی ہے کہ جمعیۃ المشائخ بھی چندروز کام کرنے کے بعد بے حسی کا شکار ہوتی گئی[1] اور وہ ساری کوشش ناکام ہوگئیں جو مولانا کاظمی کی دردمندانہ

---

(۱) انہی مخدوش حالات کے پیش نظر حضرت علامہ الشاہ مبلغ اسلام مولانا محمد عبدالعلیم الصدیقی خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۸ء کراچی میں جمعیۃ الاصفیاء کے قیام کا اعلان کیا اور اس کانفرنس میں پاکستان کے جید علماء کرام اور مشائخ شریک ہوئے تھے، اسمیں حضرت مولانا پیر صاحب مانکی شریف، مولانا عبدالرحمٰن بھر چونڈی شریف سندھ، مولانا سید غلام آغا نقشبندی، حضرت مولانا مفتی صاحب دادخان سندھ وغیرہم نے شرکت فرمائی، اس کانفرنس میں پاکستان کے لیے آئین اسلامی کے جامع ودستور کا مسودہ تیار کرلیا گیا، مولانا صدیقی نے اپنے دست مبارک سے تمام کارروائی تحریر کی اور آپ ہی کی سربراہی میں قائداعظم کی خدمت میں یہ مسودہ پیش کیا گیا۔ حضرت قائداعظم نے مسودہ آئین کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی، اورانھوں نے حضرت مولانا عبدالعلیم الصدیقی اور وفد کے تمام ممبران کو یہ مکمل یقین دلایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ قومی اسمبلی سے منظور کرا کر اس آئین کو پاکستان کی اسمبلی سے منظور کرا کر نافذ کردیا جائے گا۔ دوسری طرف دیوبندی حضرات کے علماء مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا راغب حسن، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر حسن گیلانی، مولانا مودودی، مولانا عبدالحامد بدیانوی، مولانا مفتی صاحب دادخان وغیرھم نے بھی ۱۹۵۱ء میں آئین پاکستان کا مسودہ تیار کیا تھا جو کہ پاکستان اسمبلی میں پاس نہ ہوسکا۔ اس مسودہ آئین میں ہر طبقہ کی نمائندگی کی گئی تھی لیکن اکثریت دیوبندی علماء کی تھی آج بھی حکومت کے مختلف سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں مذکورہ طبقہ کے افراد ہی براجمان ہیں۔ منزل انھیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔ (نوری)

اپیل اور حضرت صدر الافاضل اور محدث اعظم ہند و دیگر علماء و مشائخ نے پاکستان کے سنی علماء و مشائخ کو ایک جگہ جمع کر کے کیا تھا۔ ''جمعیۃ المشائخ'' کی یہ ناکامی کن عناصر اور کن حالات کا نتیجہ تھی؟۔ یہ ایک علیحدہ موضوع ہے مگر یہ ایک حقیقت ہمارے سامنے نہایت قابل افسوس ہے کہ ''جمعیۃ المشائخ پاکستان'' کی اس بدنظمی اور بے عملی سے علماء اہل سنت کی سیاسی اور دینی گرفت عوام کے ذہن قلب پر سخت سے ست پڑ گئی اور سنی عوام مایوسی کا شکار ہو کر ان عناصر سے ملنے لگے، جو سنیت کو دیگر عقائد سے ملوث کرنے کے لیے سرگرم عمل تھے، کچھ بددل ہو کر اعتقادی زندگی کو محض اختلافی مسئلہ کہہ کر منقار زیر پر ہو گئے، بعض سیاسی مصلحتوں کی بناء پر مہر بہ لب ہو گئے، بعض معاشی ناہمواریوں سے بڑی بڑی ملازمتوں کی نذر ہو گئے، اور جو باقی رہ گئے وہ ''مرکزیت'' اور ''صوبائیت'' کے چکر میں الجھ گئے۔

منزل راہرواں دور بھی ہے دشوار بھی ہے
کوئی اس قافلہ میں قافلہ سالار بھی ہے
اٹھوں کو خیر سے ہے یہ معرکہ دین وطن
اس زمانہ میں کوئی حیدر کرار بھی ہے؟

(اقبال)

نوٹ: مولانا ابوالحسنات کے وفات کے بعد جمعیۃ العلماء پاکستان کی صدارت علامہ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب آلو مہار شریف کے حوالہ ہوئی، اس میں شک نہیں کہ آپ سنیوں کے مایہ ناز خطیب، بلند ہمت سیاسی راہ نما، اور بڑے دانشمند عالم دین تھے، اور آپ کی ابتدائی زندگی احراری علماء کے تعاون سے انگریز اور

مرزائیت کے خلاف گزری تھی مگر صدر ''جمعیت العلماء والمشائخ'' بننے کے بعد آپ صدر ایوب خان کی حکومت کے دوران حکومت وقت کے معتمد سمجھے جانے لگے تھے، ان کے اس تعاون اور اعتماد کے طریقہ کار کو پہلے تو علماء اہلسنّت نے تو گوارا کرلیا مگر جب صدر ایوب کی حکومت نے عائلی قوانین جیسے احکامات نافذ کر کے عوامی کے دینی جذبات کو ٹھیس پہنچانا شروع کی تو پھر بھی صاحبزادہ صاحب ایک خاموش معاون کی حیثیت سے علماء کی صدارت فرماتے رہے۔ آپ کا یہ کردار ملک کے اکثر علماء اہلسنّت کے رائے میں نہ صرف قابل اعتراض تھا بلکہ دینی تقاضوں سے دیدہ ودانستہ اغماض سمجھا جانے لگا تھا، گو صاحبزادہ صاحب کی بعض سیاسی، اور معاشرتی مجبوریاں آپ کو جرأت مندانہ اقدام سے باز رکھ رہی تھیں، چنانچہ ملک کے چند علماء کا ایک حصہ آپ سے کھلے بندوں سخت پالیسی کا مطالبہ کرنے لگا، مگر جب کچھ اثر نہ ہوا تو علمائے اہلسنّت کی اکثریت نے جس محمد مفتی میں حسین صاحب نعیمیؒ، صاحبزادہ سید محمد شاہ گجراتیؒ، قاضی عبدالنبی صاحب کوکبؒ، مولانا عبدالغفور ہزاروی اور مولانا عبدالقیوم ہزاروی پیش پیش تھے۔ ۱۹۶۸ء میں ایک متوازی جمعیت قائم کرلی۔ علماء اہل سنت وجماعت کے اس سیاسی اور دینی انتشار نے ابوالحسنات کی جمعیۃ العلمائے پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ بالآخر ۱۹۷۰ء میں تمام علماء اہلسنّت ومشائخ کرام ٹوبہ ٹیک سنگھ فیصل آباد میں جمع ہوئے اور حضرت شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ قمر سیالوی (علیہ الرحمۃ) کی صدارت میں جمعیۃ علماء پاکستان کی تشکیل نو عمل میں آئی اور اس طرح جمعیۃ کو پاکستان اور عالم اسلام میں اسکی مرکزی قیادت حاصل ہوگئی اور ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں کئی علماء ومشائخ پاکستان کے قومی اسمبلی، صوبائی اسمبلی اور سینٹ تک پہنچنے

مٹ کامیاب ہوگئے۔ حضرت مولانا شاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ کراچی سے کامیاب ہوئے جو بعد میں جمعیت علماء پاکستان کے صدر بنے اور عوام اہلسنّت کی قیادت کی۔

لانا ابوالحسنات کا تحریک آزادی کشمیر میں کردار:

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد کشمیری مسلمانوں پر ظلم وستم کے خونی واقعات نے پاکستان کے مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کردیا۔ یہ سلسلہ آزادی ادھوری نظر آنے لگی اور کشمیر کے مہاراجہ نے بھارتی حکومت سے مل کر کشمیر کے چالیس لاکھ مسلمانوں کا سودا کردیا اور ریاست کا الحاق ہندوستان سے کردیا۔ یہ الحاق عالمی ضابطہ اخلاق اور انصاف کے منافی تھا اور کشمیر کی کثیر آبادی کی خواہشات کے بالکل برعکس تھا۔ کشمیر کا مسلمان اپنی آزادی کے تڑپ رہا تھا پاکستان کے سیاسی اور دینی جماعتوں نے تحریک آزادی میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور مولانا ابوالحسنات نے صدر جمعیۃ العلماء کی حیثیت سے جہاد کا اعلان کردیا اور غازیان کشمیر کی اعانت کے لیے ملک میں ایک زبردست تحریک چلائی۔ عوام نے دل کھول کر ''کشمیر فنڈ'' جمع کرنے میں حصہ لیا اور غازی کشمیر مولانا ابوالحسنات اپنے ہم مشرب علمائے دین کی جمعیت میں کئی بار محاذ کشمیر پر گئے۔ مجاہدین کے حوصلے بڑھائے۔ میدان جنگ میں پہنچ کر فوجیوں کے کیمپ میں مجاہدانہ روح پھونکنے کے لیے تقریریں کیں اور سامان جنگ اور دیگر ضروریات جمع کر کے پہنچائیں۔ آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں لاکھوں روپے کی مختلف اشیاء محاذ کشمیر پر پہنچائیں ان میں گرم کپڑے ادویات اور جیپ کاریں شامل تھیں۔ آزادی کشمیر کے لڑنے والے مجاہدین سپہ سالاروں نے جمعیۃ العلماء خدمات کا جس طرح اعتراف کیا ہے اس کی جھلک ان خطوط سے ملتی ہے جو مولانا ابوالحسنات کو موصول

ہوئے۔ ہم ان میں سے چند نقل کرتے ہیں۔

کرنل خرین شاہ صاحب، کیپٹن عطاء اللہ صاحب

مجاہد فاروقی بٹالین۔ پونچھ

(۲۸ ستمبر ۱۹۴۸ء)

بحضور جناب قبلہ مولانا ابوالحسنات،

صدر جمیعۃ العلماء پاکستان

مسجد وزیر خاں لاہور

آداب وتسلیمات!

نیازمندان کو بذریعہ اخبارات اور احباب کے خطوط سے پتہ چلا ہے کہ جناب مجاہدین محاذ پونچھ کشمیر خصوصا فاروقی بٹالین حویلی کے بارے میں بہت زیادہ خیال فرمارہے ہیں، ہم جناب کی اس غائبانہ شفقت کا اپنے مجاہدین کے تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ جیسے نیک بزرگوں کا سایہ ہم پر ہمیشہ رکھے۔

ہماری التماس ہے کہ ہمارے بہادر ننگے بھوکے مجاہدوں کی جو انشاء اللہ بھوکے شیروں کی طرح کفار پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور توپوں سے جاٹکراتے ہیں، تشریف لاکر حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

(۲)

السلام علیکم!

میں آزاد کشمیر گورنمنٹ محکمہ دفاع کی طرف سے آپ کے تحائف وعطیات

(جو تین جیپ کاروں، ٹریلز اور مختلف قسم کے کپڑوں پر مشتمل ہے) کے لیے آپ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں امید ہے کہ آپ اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں گے اور جنگِ آزادی جیتنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔

۱۳۔ دسمبر ۱۹۴۰ء تراڑ کھل

کرنل حبیب الرحمٰن

چیف آف اسٹاف آزاد فورسز

(۳)

مکرمی صدیقی صاحب،

السلام علیکم!

حاملین رقعہ ہذا علمائے کرام (بہ قیادت مولانا ابوالحسنات لاہور) کچھ سامان برائے مجاہدین لائے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ خود محاذ پر جاکر تقسیم کریں پہلے ہم نے کچھ ملٹری پابندی کا ذکر کیا ہے مگر چونکہ یہ آپ خود تقسیم کرنے کا وعدہ عوام سے کر آئے ہیں اس لیے اگر رضا صاحب سے ملٹری احکام کے ساتھ اجازت دلا دیں تو یہ اپنی جیپ پر سامان لے جائیں گے اور مجاہدین کو کچھ اسلامی وعظ و نصیحت بھی کرنا چاہتے ہیں اس لیے آپ انہیں سہولت پہنچائیں۔

سید احمد علی شاہ وزیر دفاع۔ آزاد کشمیر

(۱۶ اپریل ۱۹۴۹ء)

مندرجہ بالا خطوط کی روشنی میں ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مولانا ابوالحسنات محاذ کشمیر پر کتنی جرأت اور ہمت سے مجاہدین کی حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں۔ ان کی

قابل قدر کوششوں نے مجاہدین میں جس جذبہ جہاد کی روح تازہ کی تھی اس کا اعتراف آزادی کشمیر کے زعماء بار بار کر چکے ہیں۔

۱۹۴۹ء میں ایک پر فریب معاہدے کی رو سے جنگ آزادی کشمیر بند ہوگئی مجاہدین کو ایک مخصوص حد تک واپس آنا پڑا۔ اس حد کو ''خطہ متارکہ'' دونوں ملکوں کی مسلح افواج کے درمیان عالمی امن کا رشتہ رگ جاں بن کر رہ گیا ہے جس کے دونوں طرف جذبات کے لاوے پھٹتے رہتے ہیں خون کی یہ نازک سی لکیر پاک وہند کے درمیان کسی وقت بھی آتش فشاں کی طرح پھٹ سکتی ہے۔

۱۹۶۵ء کے اوائل سے ہی مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں پر ضرورت سے زیادہ ظلم وستم کے دروازے کھل گئے بھارت نے مقبوضہ کشمیر کو غیر آئینی طور پر ہندوستان کا ایک حصہ بنا کر کشمیری عوام کی سولہ سالہ جدوجہد آزادی پر پابندی لگا دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کشمیر کے دونوں حصوں کے عوام کا پیمانہ صبر چھلک اٹھا اور یہ مجبور و مقہور کشمیری مسلح ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے، مقبوضہ کشمیر کے اندر جو گزری سو گزری، مگر بھارت کے حکمرانوں کا یہ خیال تھا کہ یہ سب کچھ پاکستان کی طرف سے ہو رہا ہے، چنانچہ بھارت کی فوجیوں نے ۱۲ اگست کو آزاد کشمیر کی بعض اہم چوکیوں پر حملہ کر کے انہیں اپنے قبضے میں کر لیا اور پاکستان کے علاقوں پر گولہ باری شروع کر دی ان حالات میں پاکستان خاموش نہیں رہ سکتا تھا، کشمیریوں کی پکار پر پاکستان کے جیالے اٹھے اور وہ تین دن کے مختصر عرصے میں ہندوستانی فوجیوں کے مضبوط قلعے چھمب اور جوڑیاں کو اڑا کر رکھ دیا۔ اکھنور چند لمحوں کی مار تھا کہ بھارت نے لاہور اور سیالکوٹ پر حملہ کر کے کشمیر کی آگ کو پاک وہند کی سرحدوں پر پھیلا دیا اس جنگ میں پاکستانی قوم

کی مثالی قربانیاں زمانہ میں ضرب المثل بن گئیں مگر روسی وزیر اعظم کی مداخلت نے دونوں قوموں کی قوت کو "معاہدہ تاشقند" کی قبر میں دفنا دیا اب اس قبر پر سے "اٹوٹ انگ" اور امن کی راہیں مل گئیں" کے وظائف پڑھنے والے مجاوروں کی گونج دونوں قوموں کے لئے "وجہ تسلی" بنتی جارہی ہے مگر کشمیر کالاوا پھر اندر ہی اندر پک رہا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ
توڑ دیتا ہے کوئی موسی طلسم سامری

مولانا ابوالحسنات اور تحریک ختم نبوت:

تحریک ختم نبوت قادیانی فرقہ کی ان تبلیغی سرگرمیوں کا ردعمل تھا جو اس جماعت کے سربراہوں نے ملک کی سیاسی حالت اور اپنے چند متبعین کی حکومت کے بلند مناسب پر فائز ہونے کی شہ پر ملک میں شروع کر رکھی تھیں، قادیانی فرقہ اعتقادی طور پر اسلام کے ان بنیادی اصولوں کی نفی کرتا ہے، جنہیں کسی طرح نہ بدلا جاسکتا ہے اور نہ اس کا بدل تلاش کیا جاسکتا ہے، انگریز کے زمانہ میں بقول بانی تحریک قادیانیت انہیں بڑے سکون سے کام کرنے کا موقع ملا اور وہ علماء اسلام کی تردید اور عوام اہلسنت کے احتجاج کے باوجود فرنگی دور حکومت میں پھلتے، پھلتے چلے آئے مگر ملک آزاد ہونے کے بعد اس تحریک کے ایک بہت بڑے ستون محمد ظفر اللہ خان کو جب مرکزی وزارت میں خاص اہم عہدہ ملا تو اس فرقہ نے پوری تنظیم کے ساتھ ملک کے اندر اور باہر ایک مہم چلانا شروع کردی اور عیسائی مشنری کی طرح پاکستان کے غریب اور خاص کر دیہاتی عوام کو اپنی بداعتقادیوں کا شکار بنانے لگے۔ ہر مکتب فکر کے علماء زعماء، صوفیا اور مشائخ نے ایک جان ہو کر خواجہ ناظم الدین کی حکومت کو قادیانی فرقہ کی چیرہ

دستیوں کے تدارک کے لیے پکارا۔ظفر اللہ خان کی علیحدگی اور قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے پر زور دیا گیا۔خواجہ مرحوم ان دنوں اپنی فکر سے بہت کم سوچتے تھے وہ ظفر اللہ کی زبان بن کر عوام سے بات کرنے کے خوگر ہو چکے تھے، اس تحریک میں اہلسنّت، دیوبندی، شیعہ، وہابی، احرار، اور جماعت اسلامی، غیر مقلد غرضیکہ ہر مکتب فکر کے علماء نے ابوالحسنات کو اپنا قائد منتخب کرلیا اور حکومت کو نوٹس دیا کہ وہ ایک مقررہ وقت کے اندر اندر ان مطالبات پر غور کرے جس کے لئے ملک کا ہر فرد بے چین ہے اس سلسلے میں مولانا ابوالحسنات کی قیادت میں ایک وفد کراچی پہنچا تاکہ وزیر اعظم سے بالمشافہ بات کرلی جائے، ملاقات کے دوران خواجہ صاحب مرحوم نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی اس تحریک کو دبانے کے لیے سب سے پہلی غلطی یہ کی کہ اس وفد کے سب اراکین کو گرفتار کر کے جیل میں ٹھونس دیا گیا اس خبر نے ملک بھر کے مسلمانوں کے اضطراب میں اضافہ کر دیا ہر جگہ احتجاج ہونے لگے، جلوس نکلنے لگے، مظاہرے ہونے لگے اور گرفتاریوں سے جیل خانے پناہ مانگنے لگے، ملک کے ہر جیل اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی، ویرانے آباد ہو گئے، زنداں خانے شہروں میں تبدیل ہو گئے، علماء اور صوفیا لیڈر، طلباء، خطبا غرضیکہ **"جگر داشت بزنداں خانہ رفت"** لاہور میں مولانا محمد حسین صاحب نعیمیؒ، مولانا خلیل احمد قادریؒ، مولانا غلام الدین، مولانا محمد عمر اچھرویؒ، مولانا غلام معین الدین نعیمی، حافظ محمد عالم سیالکوٹی، مولانا ترنم، مولانا عبدالغفور ہزارویؒ۔ مولانا مودودی، سید محمود گجراتیؒ، مولانا احمد سعید کاظمی، مولانا محمد یوسف سیالکوٹی، احرار میں سے مولوی محمد علی، شیخ حسام الدین، قاضی احسان شجاع آبادی، ماسٹر تاج الدین انصاری۔ زمیندار کے مولوی اختر علی، نوائے پاکستان کے مولانا

غلام مرتضی خاں میکیش غرضیکہ صوبہ بھر کے علماء گرفتار کرلیے گئے لاہور کے مایوس مگر مضطرب عوام کو مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی نے سنبھالا اور مسجد وزیر خاں میں اس قدر جوش اور زور دار تقریریں کیں کہ تحریک کی مرکزیت قائم ہوگئی حکومت نے عاجز آ کر بہت سے شہروں کو فوج کے حوالے کردیا لاہور اور دوسرے بڑے بڑے شہروں پر مارشل لاء نافذ کردیا گیا، ایوبی حکومت کے جنرل اعظم خان ان دنوں مارشل لاء کے چیف منسٹر تھے، ان کے ہاتھوں پنجاب پر کیا گزری؟ یہ ایک خونچکاں داستان ہے اس کے لیے تفصیلی قلم اٹھانے کی شاید ایک صدی بعد کے مورخ کو پوری آزادی اور ہمت ملے مگر ایک بات جواب لطیفہ بن گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی گوالے کی بھینس ازراہ لطف وسڑک پر ''اڑنگ'' دیتی تو اس کے مالک کو کم از کم چودہ سال سزا ہوتی، بشرطیکہ بھینس کا ''اڑنگنا'' نعرہ تکبیر یا ختم نبوت کا ہم آواز ثابت ہوجائے، مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی کی تقاریر نے سارے پنجاب کی طنابیں کھینچ لیں، مگر ایک دو ہفتے میں جنرل کی فاتح فوج نے لاہور فتح کرلیا۔ مولانا کو غالباً قصور کے قریب گرفتار کرلیا گیا، گرفتاری کے بعد ان پر کیا گزری؟ یہ اس وقت کے اخبارات کے کالم شہادت دیں گے، مگر نیازی صاحب پیر قلندر شاہ لاہوری کی زبان بن کر کہتے رہے۔

مائیم و کوئے عشق ہزاروں ملامتے
یارب دریں مقام وہیں استقامتے

گولیاں سرسائیں، مقدمے چلے، ٹلٹکیاں لگ گئیں، سزائیں ہوئیں، کوڑے برسے، جائیدادیں ضبط ہوئیں اور علمائے کرام سے ان کے خدا اور رسول کے علاوہ جو کچھ متاع تھی چھین لی گئی۔ فیض نے اس ابتلاء میں انہی لوگوں کی ترجمانی کی تھی۔

ہاں کج کرو کلاہ کہ سب کچھ لٹا کے ہم

پھر بے نیاز گردش دوراں ہوئے تو ہیں

قریب تھا کہ یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی لیکن بعض آسائشی لیڈروں نے حکومت سے معافی مانگ کر رہا ہو گئے بعد ازاں مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کو بھی رہا کر دیا گیا۔

مولانا ابوالحسنات کو جیل میں یہ خبر دی گئی کہ ان کے اکلوتے جواں سال صاحبزادے خلیل احمد قادریؒ کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا ہے۔ جیل میں بوڑھے باپ پر کیا گزری ہوگی؟ یہ کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی ہم لکھ سکتے ہیں، اس کیفیت کو وہی محسوس کر سکتے ہیں جو ان حالات میں کسی اصول کی خاطر نبرد آزما ہوئے ہوں۔ علامہ مرحوم نے سیدنا یعقوب علیہ السلام کی سنت میں صبر جمیل کا مظاہرہ کر کے اپنے کردار کو ہمارے لیے مشعل راہ بنا دیا۔ آپ نے بے ساختہ الحمد للہ کہا اور فوراً کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا یہ ہدیہ قبول فرمالیا[1]۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ خبر غلط تھی گرفتار شدہ مجاہدین میں حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی بھی گرفتار کر لیے گئے تھے اور ان کے خلاف بھی پھانسی کا فیصلہ صادر کر دیا گیا تھا۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔

مولانا ابوالحسنات نے ایام اسیری میں ہی قرآن پاک کی تفسیر بنام "تفسیر الحسنات" لکھنے کا کام شروع کر دیا اور تفسیر کا معتدبہ حصہ جیل میں ہی لکھا۔ اگرچہ وقتی طور پر تحریک دب گئی لیکن ۱۹۷۴ء میں دوبارہ یہ تحریک چلی تو کامیابی سے ہمکنار

---

(۱) بتصرف تذکرۂ علماء اہلسنت و جماعت لاہور ص ۳۳۵۔ مولفہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

ہوگئی اور ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو جمعیۃ علماء پاکستان کے صدر حضرت مولانا شاہ احمد نورانیؒ، حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ زہری، حضرت مولانا محمد ذاکر اور دیگر علماء اہلسنت و جماعت کی جدوجہد اور کوششوں سے پاکستان قادیانی اور مرزائی پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار دیدیئے گئے۔[1]

مولانا ابوالحسنات نے ''ملزم'' کی حیثیت سے عدالت عالیہ میں جس بے باکی سے اپنے نصب العین کی وضاحت کی اس کے لیے ہائی کورٹ کا مفصل فیصلہ دیکھئے، جسے سابق چیف جسٹس محمد منیر صاحب نے لکھا اور ''منیر رپوٹ'' کے نام سے سامنے آیا یہ ایک کتابی شکل میں حکومت مغربی پاکستان نے چھپوایا تھا۔ جیل کی بے سختیاں، موسم کی شدت میں گرم علاقوں کی سرد اور ناقص غذا کے استعمال کی بے پناہ بلاؤں نے پس دیوار زنداں ہی آپ پر آپ کی صحت پر ناگوار اثر ڈالا تھا، رہائی کے بعد پوری طرح علاج اور کوشش کے باوجود آپ کی طبیعت سنبھل نہ سکی اور اس بیماری نے جب طول پکڑا تو موت کو بہانہ مل گیا آج اصولوں کو مصلحت کی نذر کرنے والے جب مولانا کی سیاسی اور دینی خدمات پر تنقید کرتے ہیں تو غالب یاد آجاتا ہے۔

بیاد و رید گر ایں جابود زباں دانے
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

حضرت مولانا ابوالحسنات مایہ ناز خطیب، مناظر، مترجم، مورخ اور سیاست داں ہونے کے ساتھ ساتھ فن و نظم پر بھی قدرت کاملہ رکھتے تھے، اور اپنا حافظ تخلص

(۱) اکابر تحریک پاکستان ص ۱۳۹، احمد صادق قصوری مطبوعہ مکتبہ رضویہ گجرات ۱۹۷۶ء اور قادیانیت پر آخری ضرت کاری ص ۸، مطبوعہ ورلڈ اسلامک مشن ٹرسٹ پاکستان۔

کرتے تھے انجمن حیات اسلام، لاہور کے ایک اجلاس میں علامہ اقبال نے اپنی مشہور غزل پڑھی۔

کبھی اے حقیقت منتظر، نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

حضرت مولانا سید ابوالحسنات نے فوراً اس کے جواب میں ایک غزل پڑھی جس کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

تو ہی خود، جب اے دلِ حسن جو ہو، اسیرِ زلف دراز میں
تو کمی ہو کیوں ترے سوز میں، تیرے فکر آئینہ ساز میں

جو دبائے حشر کے فتنے سب، جو اٹھائے حشر میں فتنے سب
وہ ہے کام آپ کے لطف کا، یہ ہے لطف آپ کے ناز میں

تری آرزو تو سعید ہے مگر ایسا ہونا بعید ہے
کہ جمال یار کی دید ہو، رہے تو لباس مجاز میں

تجھے اور وصل کی آرزو، تجھے دید حسن کی جستجو
نظر ہوس تری، آبرو نہیں چشم بندہ نواز میں

یہ غزل سن کر علامہ اقبال دیر تک عالم وارفتگی میں روتے رہے، اس غزل کو انھوں نے ''جذبات حافظ'' کے عنوان سے یاد کرلیا تھا۔[1]

بالآخر ۲رشعبان المعظم، ۲۰رجنوری (۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) بروز جمعہ اہل سنت کا یہ بطل جلیل (مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری) دنیا سے رخصت ہوا اور

(۱) ہفت روزہ ''قندیل'' لاہور ۲۰رنومبر ۱۹۶۶ء/ایس ایم ناز۔

وقت رخصت یہ شعر اس کے زبان پر تھا:

حافظ رند زندہ باش، مرگ کجا و تو کجا

تو شد فنائے حمد، حمد بود لقائے تو

یہ آپ کی اسلامی خدمات کا ایک ثمر تھا کہ آپ کو حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کے احاطہ مزار میں آخری آرام گاہ ملی۔

اور مولانا غلام دستگیرؔ نامی شخصیت نے تاریخ وفات کہی۔

دریغا ابن دیدار علی شاہ/محمد احمد شیریں بیان رفت

ابو البرکات را اخ مکرم/ کہ بجمود دراعم کلاں رفت

خلیلش جانشین نام بردار/ بماند، چونکہ فخر خاندان رفت

بتاریخ وفاتش گفت نامی/ابوالحسنات اجمل از جہاں رفت

اور حضرت حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ نے "لقد دخل الجنۃ" (۱۳۹۰ھ) سے تاریخ وصال استخراج کی۔[۱]

اور روزنامہ نوائے وقت لاہور نے آپ کی ملی سیاسی، مذہبی، وفکری خدمات کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا اور واضح کیا کہ امام احمد رضا خان بریلوی کی طرح ان کے تلامذہ خلفاء بھی کسی طرح بھی اپنی ذمہ داریوں سے اوجھل نہیں ہوئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم نور افشانی کرے (۱)

---

(۱) ماہنامہ سواد اعظم لاہور ـ ۳/فروری ۱۹۶۱ء

(۲) روزنامہ نوائے وقت ۲۱/جنوری ۱۹۶۱ء، لاہور

مراجع ومصادر

۱) الیواقیت المہریہ، ص ۷۷ مولفہ مولانا مہر علی، وتذکرہ علماء اہلسنت وجماعت لاہور۔

۲) تذکرہ اکابر اہلسنت پاکستان، مکتبہ القادریہ لاہور۔ مولفہ علامہ عبدالحکیم شرف القادری

۳) ماہنامہ ضیاء حرم، ختم نبوت نمبر ۱۹۷۴ء۔

۴) ہفت روزہ ''قندیل'' لاہور ۲۰ رنومبر ۱۹۶۶ء

۵) روزنامہ نوائے وقت ۲۱ رجنوری ۱۹۶۱ء

۶) تذکرہ علماء اہلسنت رمحمود احمد قادری مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

۷) ماہنامہ، سواد اعظم لاہور، ۳ رفروری ۱۹۶۱ء

۸) روئیداد، مرکزی جمعیۃ علماء پاکستان، پاکستان لاہور

تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:

تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی (علیہ الرحمۃ) ۲۷ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ کو مراد آباد (یوپی بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (علیہ الرحمۃ) ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء کی خدمت میں جامعہ نعیمیہ (مراد آباد) بغرض تعلیم حاضر ہوئے اور ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں سند فضیلت حاصل کی۔ جلسہ دستار بندی میں حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۳۴۰ھ)، حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی، مولانا محمد فاخر اجملی الہ آبادی، مولانا شاہ عبدالمقتدر بدایونی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا سلامت اللہ رام پوری، مولانا اعجاز حسین رام پوری وغیرہم اکابرین اہلسنت وجماعت جلوہ افروز ہوئے تھے، کچھ عرصہ بعد آپ کو جامعہ نعیمیہ کا مہتمم بنا دیا گیا اور پھر بعد میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء سے ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء تک آپ مسلسل ۴۰ سال تک اس ادارہ کے مہتمم رہے۔[1]

حلیہ مبارکہ:

درمیانہ قد، کشادہ پیشانی، صاف رنگ، خوبصورت چہرہ، سراپا علم و فضل، پیکر زہد و تقویٰ اور مجسمۂ اخلاق و مروت، ایک عظیم محدث و فقیہ، مفسر و ادیب اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمہ وقت عمل پیرا رہتے تھے۔

---

(۱) علامہ شرف القادری، ''تذکرہ اکابرین اہلسنت''، ص ۳۲۰، لاہور

بیعت:

۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں حضرت سیّدنا شیخ المشائخ علی حسین اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۳۵۵ھ) کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں ہی آپ کو سلسلۂ اشرفیہ میں اجازت وخلافت حاصل ہو چکی تھی اور تاج العلماء کے خطاب سے نوازے گئے اور بعد میں یہی خطاب آپ کے نام کا ایک حصہ بن گیا۔ بقول مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی مدظلہ (سابق چیئر مین رویت ہلال کمیٹی حکومت پاکستان) آپ کو حضرت امام اہلسنّت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی سے بھی خلافت حاصل تھی اس طرح آپ اشرفی اور رضوی بھی تھے۔

تدریس وافتاء:

فن فتویٰ نویسی میں بھی ''تاج العلماء'' کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک آپ نے درس وتدریس اور فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کو اپنے عقائد اور عمل سے اخلاص کا یہ عالم تھا کہ حضرت علامہ حاجی لعل خان مدراسی خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فرزند نسبتی حاجی عبدالعزیز خان کے توسط سے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں بحیثیت وائس پرنسپل تقرر ہو رہا تھا مگر جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں معمولی مشاہرہ پر ہی خدمت کو اس عہدہ جلیلہ پر فوقیت دی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت صدر الافاضل نے فرمایا کہ ''میاں وہاں آپ کو اچھا مشاہرہ تو مل جائے گا تو یہاں دین کی خدمت کرنے کے لیے کون آئے گا؟''۔ دوسری جانب آپ کی والدہ محترمہ نے بھی دباؤ ڈالا کہ میاں اگر پتھر بھی ایک جگہ پڑا رہتا ہے تو وہ بھی نشان راہ بن جاتا ہے، تم نے اپنی عمر عزیز کے بیشتر سال اس ادارہ کی خدمت میں صرف کیے ہیں۔ لہٰذا یہیں رہنا زیادہ مناسب ہے۔ دنیاوی منفعت تو آتی جاتی رہتی ہے، قدرت کو اگر دینا

ہے تو یہیں انتظام کردے گی۔ اس واضح ہدایت کے بعد آپ یک سوئی کے ساتھ مدرسہ نعیمیہ میں کام کرتے رہے۔

۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں صدرالافاضل کے ساتھ حج بیت اللہ شریف کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۸ء میں ماہنامہ السوادالاعظم (مرادآباد) کے مدیر ہوئے اور بڑی کامیابی اور وقار کے ساتھ اس کو چلایا۔[1]

سیاسی خدمات:

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں جب مرادآباد میں آل انڈیا سنّی کانفرنس قائم ہوئی تو آپ اس کے نائب ناظم مقرر ہوئے۔ پھر ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء میں بنارس کے تاریخی اجلاس میں تحریک پاکستان کی پرُزور تائید کی اور ماہنامہ ''السوادالاعظم'' کے ذریعے پاکستان کے موقف کو نمایاں کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

تحریک سوراج کے خلاف تحریک:

ہندوستان کی سیاست میں تحریکِ خلافت اور تحریک موالات نے جو جوش و جذبہ اور بیداری پیدا کی، اسی نے تحریک سوراج اور تحریک کانگریس کو فروغ بخشا، اس تحریک پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ اپنے ماہنامہ ''السوادالاعظم'' کے ایک شمارہ میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں تحریک سوراج نہایت زور وشور سے چلی اور ملک نے عاقبت بینی و دوراندیشی کو بالائے طاق رکھ کر ایک غوغا مچادیا اور مدہوش ہو کر ایسے کے معنی ''ہندو راج'' کے ہوتے ہیں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو حکومت سے لڑوانے کے لئے مورچہ پر رکھ لیا تھا، حتیٰ کہ گورنمنٹ سے مقابلے کے لئے جو تحریک

(۱) ڈاکٹر مسعود احمد، ''تحریکِ آزادی ہند اور السوادالاعظم''، ص ۲۶۰۔

تھی اس کا نام ''ترک موالات'' تجویز کر کے یہ بات گورنمنٹ کے خاطر نشین کرنی چاہی تھی کہ حکومت سے جنگ و مقاطعہ مسلمانوں کی طرف سے ہے اور حکومت کیلئے جو لفظ تجویز کیا تھا وہ اپنی پرانی غیر رائج زبان کا لفظ سوراج تھا، جس کا یہ مطلب تھا کہ حکومت کے مستحق تو ہندو اور بھینٹ چڑھانے کے لئے مسلمان تھے۔ اور کتنے مسلمان ان ہنگاموں میں مارے گئے؟ کتنے اپنے اختیار سے بے روزگار ہو گئے اور ان کی معاش خراب ہو گئی اور ہندوؤں نے ان کی جگہ پر قبضے جمائے! طالبِ علموں نے اسکول چھوڑ دیئے اور پھر چلتے چلاتے ایک ہجرت شوشہ چھوڑ کر کتنوں کو بے خانماں کر دیا گیا اور اس سوراج کی بدولت مسلمانوں نے وہ ناکردنی افعال کئے کہ خدا کی پناہ۔[1]

لیکن مسلمان یہی سوارج حاصل کرنے کے لئے کانگریس کے ساتھ شریک ہو رہے تھے اور اس سے مسلمان بے خبر تھے کہ یہ ان کے لئے مفید ہوگا یا مضر؟ اس موقع پر تاج العلماء نے مسلمانوں کو حقیقت سے آگاہ کیا کہ جو قوم بدیشی اور غیر ملکی ہونے کی بناء پر حکمراں کو بھی ملک بدر کرنے پر تلی ہوئی ہے وہ حکومت واقتدار حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں کو ایک لمحہ کے لئے بھی ہندوستان میں نہ رہنے دے گی۔ ہندوؤں کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ان کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے کوئی گنجائش پیدا ہو سکے گی واقعات کی تکذیب اور خیال خام ہے، ہندو اپنا دھرم 'اہنسا' بتاتے ہیں لیکن ہمیشہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے رہتے ہیں۔[1]

تمام ہندوستان کے مسلمان اس تحریک سے علیحدہ ہیں معدودے چند

(۱) ڈاکٹر مسعود احمد، ''تحریکِ آزادی ہند اور السواد الاعظم''، ص ۲۶۱۔

(۱) ڈاکٹر مسعود احمد، ''تحریکِ آزادی ہند اور السواد الاعظم''، ص ۲۶۰۔

اشخاص کے جو غلط فہمی یا کسی اثر کا شکار ہو گئے ہیں ان کی شرکت مسلمانوں کی شرکت نہیں سمجھی جاسکتی مگر ہمیں ان سے بھی عرض کرنا ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے غور کریں، فکر صائب سے کام لیں اور مسلمانوں کی جمہوریت سے علیحدہ نہ ہوں، ہندوؤں کی ذہنیت پر نظر ڈالیں۔

حضرت تاج العلماء ''کانگریسی تحریکات'' کے عنوان سے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اس گروہ کا دین و مذہب ملک پرستی ہے اور اس کا عقیدہ یہ ہے کہ مُلک کی تمام آسائشیں اور راحتیں صرف انہیں کے لئے ہیں اور یہاں کی طویل و عریض فضا میں کسی دوسرے کو چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے''۔[1]

سوراج کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس ہندوستان سے ہر اس شخص کو نکال دیا جائے جس کو ہندو اپنے خیال میں غیر ملکی سمجھتے ہیں یا تہہ تیغ کر ڈالا جائے دین و ملت سے مرتد کر کے غلام بنالیا جائے اور اچھوت قوموں کی طرح کتوں اور موذی جانوروں سے بدتر زندگی بس کرنے پر مجبور کیا جائے یہ سوراج آریہ قوم کو جان سے زیادہ عزیز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے سوراج کا حصول مسلمانوں کی موت نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی لئے آپ بڑی دل سوزی کے ساتھ دعا فرماتے ہیں۔

''خدا نہ کرے کہ ایسا منحوس سوراج کا وقت کبھی آئے ورنہ

---

(۱) ماہنامہ ''السواد الاعظم''، ص ۱۲، ۱۳۳۹ھ، مراد آباد۔

مسلمانوں کی وہی حالت ہوگی جو ہندوؤں نے اپنے عہدِ حکومت میں ہندوستان کی قدیم اقوام کے ساتھ کر رکھی تھی بلکہ تجویز تو یہ ہے کہ جس طرح بدھ مت کو ہندوؤں نے ہندوستان سے نیست و نابود کردیا اسی طرح مسلمانوں کا بھی نام ونشان مٹا دیں، ہندوؤں کی یہ تمنا پوری نہیں ہوسکتی اگر مسلمانوں میں سے زرخرید لوگ ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو گمراہ نہ کریں، مگر بدقسمتی سے ہندوؤں کو ایسے افراد اور ایسی جماعت ہاتھ آگئی جو ''جمعیۃ العلماء'' نام کی جماعت شب و روز ہندو مقصد کی اشاعت میں سرگرم رہی اور اس کے اراکین اسلام اور مسلمانوں کے خون میں غوطہ لگا رہے تھے''۔

(''سوادالاعظم''،۱۳۹۹ھ)

مسلمانانِ ہند کو ہوشیار ہونا چاہیے، یہ خاموشی اور سُستی کا وقت نہیں ہے، ہر جگہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ایسی جماعتوں سے بے تعلقاتی و بیزاری کا اظہار کریں کہ یہ لوگ مسلمانوں کے نمائندے نہیں اور مسلمان ان کی آواز سے متفق نہیں ہیں۔

تاج العلماء نے ایک جگہ ذکر کیا ہے کہ ایک عرصہ سے جمعیۃ العلماء کے نام سے ہندوستان میں ایک جماعت قائم ہے جس کے صدر مولوی کفایت اللہ دہلوی اور ناظم مولوی احمد سعید ہیں۔ ۳۰رمئی تا ۵رمئی ۱۹۳۰ء کو اس جمعیت کا امروہہ میں سہ روزہ اجلاس ہوا تھا جس میں مسلمانوں سے زیادہ ہندو شریک تھے مراد آباد

(۱) ماہنامہ ''السوادالاعظم''، ص۱۲، ۱۳۳۹ھ، مراد آباد

کانگریس کمیٹی کے ہندوارا کین وعہدہ داران اس میں زیادہ نمایاں نظر آرہے تھے اس اجلاس میں سول نافرمانی میں کانگریس کے ساتھ تعاون کی قرارداد منظور کی گئی۔ چنانچہ ارباب جمعیت پر تنقید کرتے ہوئے تاج العلماء لکھتے ہیں۔

''ارباب جمعیۃ نے ہندوؤں کے ساتھ وُدْ اور محبت کو قائم رکھا اور نہ ارتداد کا سیلاب روکا، شردھانند کو اسلام سوز حرکات سے باز رکھا، نہ ہندوؤں کے مظالم کے خلاف آواز بلند کی، نہ خلافت کمیٹی کے زمانے میں جب مسلمان قہقہے لگا رہے تھے اور بتوں کی نقاب کشائی کے لئے جاتے تھے، ہوں میں گلال ملنے اور رنگ کھیلتے تھے اس وقت کوئی حکم اسلام کا انہیں سنایا بلکہ اس کے علی الرغم جب غازی عبدالرشید نے شرُدھانند کو قتل کیا تو اس غازی کو جنت کی خوشبو سے محروم گردانا گیا''۔

تاج العلماء بیان کرتے ہیں کہ امروہہ کے جس اجلاس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس میں شرکت کے لئے مفتی محمد کفایت اللہ، صدر جمعیۃ العلماء ہند نے صدر الافاضل کو کئی خطوط لکھے اور پھر دعوت نامہ بھیجا لیکن صدر الافاضل نے مندرجہ ذیل معذرت نامہ ارسال فرمایا جو مومنانہ سیاسی بصیرت پر شاہد ہے۔

مکتوب صدر الافاضل بنام مفتی کفایت اللہ دہلوی:

عنایت فرمائے من جناب مولوی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی صدر جمعیۃ العلماء زادعنایۃ' ماھو المسنون کے بعد گزارش ہے کہ میرے پاس جناب کے خطوط اور دعوت نامے پہنچے ہیں جناب سے یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ اس کا احساس فرمائیں کہ گذشتہ تجربوں نے یقین دلایا ہے کہ ہندو مسلمانوں کی تباہی و بربادی کو

سوراج سے زیادہ عزیز جانتے ہیں انہیں کسی طرح گوارا نہیں کہ سرزمین ہند میں مسلمانوں کا وجود رہے اگر یہ تجربے نہ ہوتے تو بھی مسلمانوں کو قرآن پاک پر یقین ہے مشرکین کی شدت عداوت قرآن پاک میں وارد ہے، ان سے نفع کی امید و وفاداری کی توقع خیال باطل ہے اسی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان بالعموم گاندھی اور کانگریس کی تحریکوں سے اس وقت تک قطعاً علیحدہ ہیں۔

آپ ''جمعیۃ'' کو ایسے طریق عمل سے بچایئے جو گاندھی تحریک کے ہم معنی یا اس کی تائید ہو، اگر اس کا لحاظ نہ کیا گیا تو علاوہ ان مصائب کے جو ہندو پرستی کی بدولت اٹھانے پڑیں گے مسلمانوں کی جماعت کے انتشار اور ان کے اس نئے اختلاف کا وبال بھی آپ کی گردن پر ہوگا جو اس نئی تحریک سے پیدا ہوگا۔

اگر جمعیۃ نے قانون شکنی میں گاندھی کی روش اختیار کی تو یقیناً مسلمانوں کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے اور آپس میں کٹ مریں گے آپ کو نہایت دانائی اور احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ وما علینا الا البلاغ [1] مکتوب کے مندرجات سے جو سیاسی بصیرت اور گہرائی مترشح ہے وہ اہل نظر پر ظاہر ہے لیکن مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی اور وہ راستہ اختیار کیا جو مسلمانوں کے لئے مفید نہ تھا۔

نیز آپ لکھتے ہیں کہ جب حضرت صدر الافاضل سے مسٹر گاندھی کی تحریک عدم تعاون اور قانون شکنی میں مسلمانوں کی شمولیت سے متعلق جب فتویٰ لیا گیا تو آپ نے تحریر فرمایا۔

کانگریس یا گاندھی کی تحریک کی شرکت یا علیحدہ کو ایسی تحریک جو گاندھی کی

---

(۱) ماہنامہ ''السواد الاعظم'' ۔ ۱۳۳۸ھ، مرادآباد

شرکت کے ہم معنیٰ ہے مسلمانوں کے لئے ہرگز روا نہیں، ان سے اتحاد اور ان پر اعتماد اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے، لہٰذا مسلمان گاندھی اور کانگریس کی تحریکات اور ان تحریکات کے تائید سے پہنچانے والی حرکات سے قطعاً اجتناب برتیں۔ (واللہ سبحان اعلم)

محمد نعیم الدین

۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

نیز صدر الافاضل فرماتے ہیں کہ کانگریس کے ساتھ اتحاد فی نفسہ برا نہ تھا لیکن اہلِ علم و دانش اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب ایک کمزور قوم طاقت ور قوم کے ساتھ اتحاد کرتی ہے تو بظاہر وہ قوی ہو جاتی ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس طاقت ور قوم کے ہاتھ اس کا وجود بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے اس اتحاد کے لئے بڑی دانائی اور دور اندیشی اور بصیرت کی ضرورت رہتی ہے اس زمانے میں مسلمان قوم کا جو حال تھا اس کا نقشہ تاج العلماء نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

گورنمنٹ برطانیہ کی قلم رو میں بہ لحاظ تعداد اور بڑی قومیں آباد ہیں۔

ہندو اور مسلمان ان میں ایک کی تعداد ایک ہے تو دوسرے کی اس سے چہارم پہلی قوی ہے اور دوسری نہایت کمزور پہلی میں نظم و ارتباط ہے دوسری میں کمالِ بدنظمی و انتشار پہلی میں ہر ایک فرد دوسرے کا معین و مددگار ہے دوسری میں بھائی بھائی کا دشمن اور خونخوار، پہلی مالدار ہے اور دوسری نادار۔ پہلی حکام رس ہے دوسری بے زبان پہلی کا عنصر حکومت کے ہر دفتر میں کثرت سے ہے اور اپنی قوم کی ہر ممکن اعانت کے لیے ہر وقت مستعد اور دوسری کے افراد حکومت کے محکموں میں برائے نام پہلی قوم دوسری قوم کو کھائے جا رہی ہے اور دوسری قوم کی بے کسی اس درجہ پہنچ گئی کہ وہ فریاد کے لئے بھی آواز نہیں اٹھا سکتی، شکایت کرتے بھی ہمسایہ کے

ظلم سے ڈرتی ہے۔[1]

ایسی حالت میں مسٹر گاندھی کو اپنا مقتدا اور پیشوا بنانا کہاں تک صحیح تھا؟ یہ بات کسی نے نہ سوچی، اس طرف علماء اہلسنّت نے متوجہ فرمایا کہ گاندھی کی پیروی کرنا اور ہندوؤں کا ساتھ دین اسلام کی فطرت کے خلاف ہے، اس بات کو نہ صرف علماء اہلسنّت بلکہ خود ہندو لیڈروں نے بھی محسوس کیا چنانچہ لالہ لاجپت رائے آنجہانی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

ایک ہندو لیڈر کا خوف:

ایک اور چیز جو ایک عرصہ سے میرے لئے وجۂ اضطراب ہو رہی ہے وہ ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اس پر دعوت غور و خوض دوں، گذشتہ چھ ماہ میں میں نے اپنے وقت کا بیشتر حصہ اسلامی تاریخ اور اسلامی قوانین کے مطالعہ میں صرف کیا ہے اور اس سے جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ چیز یعنی ہندو مسلم اتحاد ایک امر محال اور ناقابلِ عمل شئے ہے وہ مسلمان راہ نما جو عدم تعاون کی تحریک میں شامل ہیں، اگر ان کے خلوص نیت کو تسلیم بھی کرلیا جائے پھر بھی میرے خیال میں ان کا مذہب اس چیز ہندو مسلم اتحاد کے راستہ میں ایک زبردست رکاوٹ ثابت ہوگا۔ (۲)

اس واضح حقیقت کے باوجود جس کو علماء حق اور خود ہندوؤں نے محسوس کیا ہندو مسلم اتحاد کی بات کی گئی اور مسلمانوں کے لئے مسٹر گاندھی کی پیروی کو ضروری قرار

---

(۱) ماہنامہ ''السواد الاعظم''۔ص۲۴۔۱۳۳۸ھ، مراد آباد

(۲) مفتی محمد عمر نعیمی ''تفرقہ اقوام''، ص۸، مراد آباد۔

دیا گیا چنانچہ ۱۹۴۰ء میں جب ابوالکلام آزاد آل انڈیا نیشنل کانگریس کے صدر بنے تو انھوں نے صدارتی خطبے میں کامیابی کے لئے مہاتما گاندھی کی راہنمائی پر اعتماد کو ضروری قرار دیا۔

لیکن مسٹر گاندھی کی راہنمائی کی حقیقت کیا تھی؟ وہ ایک فلسفہ حیات تھا، جس کی بنیاد ہندو مذہب پر قائم تھی کیونکہ گاندھی جی اوّل و آخر ایک سچے اور راسخ العقیدہ ہندو ہی تھے ایسے شخص سے کسی دوسرے مذہب کے مفاد کی توقع رکھنا عبث تھی، مسلمانوں سے ہندوؤں کا اتحاد اسی وقت ممکن تھا جب وہ فلسفہ اسلام کو چھوڑ کر سیدھے گاندھی کو اپنا لیتے کیونکہ بقول لاجپت رائے ہندو مسلم اتحاد میں اسلام سب سے بڑی رکاوٹ ہوسکتا ہے۔

☆ فلسفہ گاندھی والی بات جو اوپر کہی گئی، محض قیاسی نہیں بلکہ یقینی ہے جس کی شہادتیں موجود ہیں، چنانچہ مشہور ہندو لیڈر راچاریہ کرپلانی نے کانگریس کے لائحہ عمل کے متعلق اپنے بیان میں یہ صراحت کی ہے جو قابلِ توجہ ہے، وہ فرماتے ہیں:

> ''یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ کانگریس کی ہر اسکیم گاندھی جی کے فلسفہ کے تحت چلائی جائے گی یہ ہرگز ممکن نہیں کہ آپ کسی اسکیم اور فلسفۂ زندگی کے اصول پر چلاسکیں، کانگریسی اسکیموں کا قلم کسی اور فلسفہ پر نہیں لگایا جاسکتا یہ فلسفۂ زندگی دنیا کے کسی اور فلسفۂ زندگی کے ماتحت نہیں بنایا جاسکتا ہے علی ہذا القیاس جو سوشلسٹوں کو بھی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ سوشلزم اور گاندھی ازم، بالکل جدا جدا چیزیں ہیں جن میں کوئی مطابقت پیدا نہیں کی جاسکتی۔ بہر حال گاندھی جی کا فلسفۂ زندگی ایک ایسا مکمل فلسفہ ہے جس سے تمام قوم بھی صحیح رہبری حاصل کرسکتی ہے اور فرداً فرداً اشخاص

بھی، اس سے سیدھا راستہ پا سکتے ہیں''۔ [1]

اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر اخبار مدینہ لکھتا ہے:

''کانگریس کے ہر بشر کے لئے ضروری ہے کہ وہ گاندھی جی کے فلسفۂ زندگی کو دنیا کے تمام دوسرے فلسفہ ہائے زندگی سے بہتر سمجھے اور کانگریس کے پروگرام کو گاندھی کے فلسفہ کی روشنی میں دیکھئے جو شخص ایسا نہیں کر سکتا وہ کانگریس کا ممبر نہیں بن سکتا''۔

بحیثیت مسلمان یہ اندازِ فکر کتنا غیر اسلامی ہے مگر مسلمانوں کے عقل وشعور پر کچھ ایسا پردہ پڑ گیا تھا کہ انھوں نے اسلام کے ایک زندہ فلسفۂ حیات کے ہوتے ہوئے گاندھی جی کے فلسفے کو ترجیح دی، چنانچہ ابوالکلام آزاد نے اپنے صدارتی انتخاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''میرا انتخاب صدارت کے لئے درحقیقت مہاتما گاندھی کی قیادت پر اعتماد کا آئینہ دار اور اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے اور ان کے پروگرام سے بالکل متفق ہے''۔

گاندھی جی کے پروگرام سے متفق ہونا درحقیقت فلسفہ گاندھی کو اپنانا تھا جو بقول اچاریہ کرپلانی: ''دنیا کے دوسرے فلسفہ ہائے زندگی سے قطعاً مختلف پروگرام تھا''۔ اور بقول مدیر اخبار مدینہ: ''تمام فلسفوں سے بہتر ہے ظاہر ہے جو یہ فلسفہ اپناتا ہے وہ عملاً مسلمان نہیں رہتا''۔ چنانچہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے بالکل ٹھیک کہا تھا:

---

(۱) ''جریدہ انصاری''، دہلی، ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء

''جو مسلمان کانگریس میں شریک ہیں وہ مسلمان ہیں کب؟''۔

میاں صاحب اگر اپنے ایمان کی خیر منانا چاہتے ہیں تو مسلمان کانگریس سے مسلم لیگ میں جائیں۔

ان حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ کانگریس کسی سیاسی تحریک کا نام نہ تھا بلکہ آخر میں یہ ایک ہندو مذہبی تحریک بن گئی تھی، اس لئے جب کانگریس میں کھل کر فلسفہ گاندھی کی بات ہونے لگی تو مسلمانوں نے عموماً اور علماء اہلسنت نے خصوصاً فلسفہ اسلام کی بات کی اور حقیقت میں اس طرح ہندوستان اور پاکستان دو متضاد اور مختلف مذہبی ذہنیتوں کی نمائندگی کررہے تھے۔

ہندوستان کے مسلمان علماء حق کی کوششوں سے فلسفہ اسلام سے پہلے متعارف تھے اور اسلامی تحریک کے لئے راہ ہموار ہو چکی تھی لیکن سیاسی سطح پر غالباً سب سے پہلے دسمبر ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کے اکیسویں اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے مسلمانان ہند کو علامہ اقبال نے اس طرف متوجہ فرمایا اور موصوف ہی نے قائداعظم کو بھی اس طرف متوجہ کیا جنھوں نے اسی فکر سے خود بھی قوت حاصل کی اور پوری قوم کو طاقت ور بنا کر منزل تک پہنچایا۔

علامہ اقبال فکری طور پر دسویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (علیہ الرحمۃ) ۱۰۳۴ھ رم ۱۶۲۴ء سے بے حد متاثر تھے، تاثر کی انتہا ہے کہ انھوں نے اپنی تصویر خودی کی بنیاد حضرت مجدد کے تصور وحدۃ پر رکھی اور پھر جس طرح حضرت مجدد مسلمانان ہند کو دوز اکبری کی پستی سے نکال کر عالمگیری دور کی بلندیوں پر لے گئے، اسی طرح علامہ اقبال مسلمانان ہند کو برطانوی دورِ حکومت اور سوراج کی پستیوں سے نکال کر پاکستان کی بلندیوں پر لائے۔

اور یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ علامہ اقبال معاصرین میں حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۹۲۱ء) سے بھی بے حد متاثر تھے۔ چنانچہ غالباً اسی سال علی گڑھ میں ایک دعوت کے موقع پر پروفیسر محمد سلیمان اشرف علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۹۳۳ء) سربراہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی موجودگی میں علامہ نے فاضل بریلوی کی علمیت اور فقاہت کو خوب خوب سراہا۔ کچھ تعجب نہیں کہ وہ "السواد الاعظم" بھی پڑھتے رہے ہوں، کیوں کہ اس دور پر آشوب میں یہی ایک رسالہ تھا جو ان کے افکار وخیالات کے معیار پر پورا اتر سکتا تھا۔

ایک طرف گاندھی جی نے اپنا فلسفہ پیش کیا تو دوسری طرف علمائے اہلسنت نے اسلامی فلسفہ پیش کیا، مگر دونوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا، فلسفہ گاندھی ابھی تجربے کی منزل سے نہیں گزرا تھا اور اسلامی فلسفہ تجربہ کی منزل سے گزر چکا تھا اور اپنے پیچھے تیرہ سو سالہ تاریخ رکھتا تھا، ۱۹۴۷ء کے بعد دونوں پر عمل کا وقت آیا فلسفہ گاندھی کی طور پر اپنایا گیا، لیکن اس کا فیض غیر مسلمان فسادات کی نذر ہوگئے اور اچھوتوں کو بھی وہ مقام حاصل نہ ہوسکا، جس کے لئے گاندھی جی بظاہر کوشاں تھے اس کے برخلاف پاکستان میں اگرچہ اسلامی فلسفہ کو جزوی طور پر اپنایا گیا لیکن اس کا فیض ہندو مسلمان دونوں کو ملا، ۱۹۴۷ء سے آج تک ایک ہندو بھی پاکستان میں فسادات کی نذر نہیں ہوا اِن تجربات سے دونوں فلسفوں کی اہمیت اور جدید دنیا کے لئے فلسفہ اسلام کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے۔

ہندوستان کہنے کو ایک لا مذہب حکومت ہے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ گاندھی جی کے فلسفہ حیات پر عمل پیرا نہیں، لیکن حقیقت میں وہ اسی فلسفہ کے سہارے چل رہی ہے اور وہاں ہر شخص گاندھی جی کی تمناؤں اور مقاصد کے حصول کے لئے

کوشاں ہے، دورِ جدید کا یہ ایک مؤثر حربہ ہے کہ مصلحت وقت کے تحت جو چاہے نام رکھ لو اور جو چاہے فیصلہ کرلو، مگر اندرون خانہ کرو وہی جو من میں ہے، اسی طرح کام بھی بن جاتا ہے اور بدنامی بھی نہیں ہوتی، مولانا نعیم الدین مرادآبادی اور ان کے شاگرد حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مندرجہ بالا سیاسی افکار وخیالات سے اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ دونوں عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند نگاہ دور اندیش ماہرِ سیاسیات بھی تھے، حالات وواقعات پر آپ کی پوری نگاہ تھی چنانچہ آپ نے ۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۱ء اور ۱۹۴۰ء میں ہندوؤں اور جمعیت العلماء ہند والوں کے حالات وواقعات پر جو تبصرہ کیا تھا وہ آج بھی اسی نہج پر مستمر ہے۔

مولانا محمد عمر نعیمی زندگی بھر تدریس، صحافت اور فتویٰ نویسی، کے فرائض انجام دینے میں مصروف رہے، اسی لئے تصنیف وتالیف کے لئے انہیں مکمل موقع نہ مل سکا تھا لیکن اگر ماہنامہ ''السواد الاعظم'' میں جس کے آپ عرصہ تک ایڈیٹر بھی رہے، آپ کے مطبوعہ مضامین اور اداریوں کو ہی جمع کرلیا جائے تو کئی ضخیم کتب مجلدات میں مرتب ہوسکتی ہیں، اسی طرح اگر آپ کے فتوؤں کو جمع کیا جائے جو آپ نے وقتاً فوقتاً جوابات دیئے تو وہ بھی کئی جلدوں میں ترتیب دیئے جاسکتے ہیں، ممکن ہے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے صاحبزادگان میں سیّدی ومولائی مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی مدظلہ اس اہم امر کی جانب سوچ رہے ہوں؟

خزائن العرفان کی جمع وترتیب اور طباعت:

مولانا مفتی عمر نعیمی کی نمایاں دینی وعلمی خدمات میں امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ کا ترجمہ قرآن بنام ''کنزالایمان''

کی پہلی اشاعت کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا اس کے بعد تفسیری حاشیہ ''خزائن العرفان'' کی املا اور کتابت، پروف ریڈنگ، پیسٹنگ، جلد بندی اور روز و شب اس قدر کام میں مصروف رہنا اور مالیات کی فراہمی کے سلسلے میں اہلِ خیر سے روابط رکھنا وہ امر عظیم تھا، جو آپ نے حضرت صدر الافاضل کے ہمراہ انجام دیا۔ علاوہ ازیں مجلّہ ''السواد الاعظم'' کے لئے مضامین کی فراہمی، طباعت وغیرہ کی ذمہ داری الگ تھی۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے جو لوگ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر غلط اور بے بنیاد الزامات لگا کر عوام میں اچھالے تھے، مولانا مفتی محمد عمر نعیمی نہایت ہی معقول اور منطقی دلائل سے ان کا جواب ''السواد الاعظم'' کے اداریے میں تحریر فرماتے تھے۔ ان الزامات میں سے حضرت فاضل بریلوی کو یہ الزام دے کر بدنام کیا گیا جس کا اثر اب تک موجود ہے اور علمی دنیا میں ان کو اسی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ وہ الزام یہ ہے کہ ''آپ ہر کسی کو کافر کہہ دیا کرتے تھے''۔

حضرت تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس الزام کا اس طرح جواب دیتے ہیں:

''جب مسلمان بنے رہنے اور مسلمانوں کو اپنے دام میں پھانسنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو مشہور کر دیا کہ اعلیٰ حضرت کے لئے کافر کہہ دینا ایک امر عادی ہے۔[1]

حضرت تاج العلماء مزید لکھتے ہیں کہ:

''صرف فتویٰ تکفیر پر کیا موقوف ہے؟ فتاویٰ رضویہ کی بارہ مجلدات میں ایک ہی موضوع پر ہزاروں فتوے ہیں۔ اگر طلاق ہی کے لئے لیے

(۱) ماہنامہ ''السواد الاعظم''، ص ۸۔ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ، مراد آباد

جائیں تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ کیا آپ ہر وقت طلاق ہی کے فتوے دیتے رہتے تھے؟۔ اگر ایک حکیم کا رجسٹر اٹھایا جائے اس میں ایک ہی مرض کے ہزاروں مریض اور نسخے ملیں گے تو کیا اُن نسخوں کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس کو دیکھو بخار بتادیا؟ آپ آگے چل کر مزید تحریر فرماتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ جن لوگوں پر کفر کے فتوے دیے گئے ہیں۔ آیا اُن میں کوئی بھی ایسا ہے کہ اس سے کفر کی کوئی بات سرزد نہ ہوئی ہو؟ اور اس کو کافر کہہ دیا گیا ہو، مگر ایسا نہیں تو ان لوگوں کو کفر کرنے سے منع کرنا چاہیے نہ کہ مفتی کافر نہ کہنے سے۔ طبیب کے پاس جو بخار والا آئے گا وہ ضرور اس کی تشخیص کرے گا اور بخار کا نسخہ لکھے گا۔ نہایت بے عقلی ہوگی اگر آپ مریض کو دوا اور پرہیز پر تو آمادہ نہ کریں لیکن طبیب کو بخار تجویز کرنے سے روکیں۔ اور اس پر یہ الزام لگائیں کہ آپ نے اپنی عمر میں ہزار ہا آدمیوں کو بخار بتایا ہے یہ آپ کی عادت ہی ہوگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کافر بنایا نہیں جاتا بلکہ انسان اپنے قول وعمل سے خود کافر بن جاتا ہے۔ مفتی صرف اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ اب اگر اس کا قول وعمل صحیح ہے تو مفتی کے کہہ دینے سے کافر نہیں ہوجاتا۔ اس لیے تشویش وفکر نہ ہونی چاہیے۔ اور ایسے الزامات سے توبہ کرنا چاہیے"۔

مذکورہ بالا جوابات کی روشنی میں ایسا لگتا ہے کہ حضرت تاج العلماء اپنے استاد صدر الافاضل کی طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے حقیقی ترجمان تھے اور آپ مسلسل چالیس سال تک دینی، سیاسی، تدریسی خدمات اور تحریک پاکستان کے لئے نمایاں کردار ادا کرتے رہے تھے۔ جس وجہ سے مرادآباد اور قرب وجوار کے ہندو آپ کے سخت مخالف ہوگئے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کو زیادہ دنوں

مراد آباد میں موجود رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا، اس لئے آپ احباب کے مشورے سے تقسیم ہند کے بعد یعنی ۱۹۵۱ء میں ترک وطن کر کے مراد آباد سے پاکستان کراچی آ گئے اور حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (والد مولانا شاہ احمد نورانی) کے اصرار پر کراچی ہی میں قیام پزیر ہو گئے اور کراچی میں ایک دینی ادارہ بنام ''مخزن عربیہ بحر العلوم'' قائم فرمایا۔ نیز جامع مسجد آرام باغ میں ابتدائی طور پر خطابت و امامت کے فرائض بھی انجام دینے لگے۔ آج کل یہ فرائض آپ کے بڑے صاحبزادے علامہ مفتی محمد اطہر نعیمی (سابق چیئرمین رویت ہلال کمیٹی پاکستان) انجام دے رہے ہیں۔ جبکہ آپ کے دوسرے صاحبزادگان میں حافظ محمد ازہر نعیمی، وغیرھم بھی متعدد دینی و سماجی خدمات میں مصروف نظر آتے ہیں۔

تحریک ختم نبوت میں خدمات:

حضرت تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کی تحریک میں حصہ لے چکے تھے، اس جرم میں انہیں گرفتار کر کے سنٹرل جیل کراچی میں منتقل کر دیا گیا تھا، آپ عرصے تک جیل میں مقید رہے تھے، اسی اثناء میں آپ پر جو شدت کی گئی تھی اس کے کافی دنوں تک اثرات موجود رہے بلکہ آخر ایام میں ان ہی اثرات سے ذی القعدہ ۱۳۸۵ھ (۱۷ مارچ ۱۹۶۶ء) کو آپ کراچی میں وفات پا گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ کی نماز جنازہ کے فرائض آپ کے خلف اکبر مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی مدظلہ نے انجام دیے۔ اس کے بعد صلوٰۃ و سلام کی گونج میں آپ کی تدفین مسجد ''دارالصلوٰۃ'' ناظم آباد کراچی کے ایک گوشے میں ہوئی۔ (۱)

---

(۱) ماہنامہ النعیم کراچی دسمبر جنوری ۲۰۰۵ء

مفتی محمد عمر ۱۳۸۵ھ آپ کا تاریخ وصال نکلتا ہے اس موقع پر جناب صابر براری نے درج ذیل تاریخ وفات لکھی:

ہو کیوں نہ چشم حق میں یوں اشکبار صابرؔ
عالم سے اٹھ گیا ہے اک عالم قدیمی

تھا جس کا فیض جاری دنیائے علم و دین میں
تھی جس کی عطر پاشی خوشبوئے ضد تمیمی

شیخ الحدیث تھے وہ اس دور حاضرہ کے
اسلاف ذی شرف کے مجموعہ عمیمی

پہنچا دے ان کو یارب دربار مصطفیٰ میں
دے خلدان کو تیری ہر شان ہے کریمی

سال وصال صابرؔ لکھ فقر کو ملا کر
ہادی اہل سنت مفتی عمر نعیمی

(۱۹۶۶ء۔۱۳۸۵ھ)

اور مولانا ضیاء القادری بدایونی نے درج ذیل تاریخ وفات کہی:

عالم ذی جاہ مولانا عمر تھے سراج علم، مثل ماہِ مہر (۱۳۸۵ھ)

اے ضیاءؔ ہے آپ کا سال وصال عالی ہمت رحمت اللہ علیہ

اور آپ خود اپنے مرقد میں زبانِ حال سے مترنم ہیں۔

بعد وفا تربت مادر زمین مجو
در سینہ ہائے عارف مردم مزار ما

تلامذہ:

پاکستان میں آپ کے قابل ذکر تلامذہ میں حضرت مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی سابق چیئرمین رویئت ہلال کمیٹی، حکومت پاکستان، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد نعیمی، (استاذ الحدیث اور ناظم تعلیمات دارالعلوم نعیمیہ کراچی اور حضرت مولانا مفتی اقبال حسین نعیمیؒ (مولف اولیاء سندھ، دارالعلوم نعیمیہ کراچی) اور حضرت مولانا مفتی عبداللہ نعیمیؒ (دارالعلوم نعیمیہ مجددیہ ملیر کراچی) اور ڈاکٹر محمد مظاہر اشرف الجیلانی دہلوی (خانقاہ اشرفیہ کراچی) کا نام آتا ہے۔ یہ حضرات بھی اپنے استاد کی طرح علمی، تحریکی، تدریسی، تصنیفی، تبلیغی اور ملکی خدمات میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں اب ہر ایک کا مختصر تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

مولانا جمیل احمد نعیمی ناظم تعلیمات دارالعلوم نعیمیہ کراچی

مولانا جمیل احمد نعیمی ولد جناب قادر بخش (فروری ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء میں) انبالہ چھاؤنی مشرقی پنجاب (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: فارسی اور عربی کی ابتدائی کتب مولانا ارشاد احمد، مولانا قاضی زین العابدین اور مولانا شاہ مسعود احمد دہلوی سے حاصل کی۔ اور باقی تمام کتب وفنون اور علوم الحدیث و فقہ حضرت تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی (شیخ الحدیث مخزن عربیہ بحر العلوم، کراچی) سے پڑھ کر ۱۹۶۰ء میں سند فراغت حاصل کی۔

تعلیمی خدمات: فراغت کے بعد آپ کچھ عرصہ دارالعلوم مخزن عربیہ اور دارالعلوم مظہریہ آرام باغ اور کراچی کے ایک مسلم ہائی اسکول میں تدریسی فرائض

انجام دیئے ۱۹۵۶ء سے سبز مسجد صرافہ بازار کراچی میں خطابت و امامت کے فرائض انجام دیئے۔ تقریباً ۱۹۷۴ء تک اس مسجد میں امام وخطیب رہے۔ لیکن بعد میں تبلیغی اور تحریکی مشغولیات کی وجہ سے مستعفی ہو گئے۔ آپ آج کل دار العلوم نعیمیہ کراچی میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں اور آپ کا شمار اس دار العلوم کے بانی ارکان میں بھی ہوتا ہے۔

۱۹۶۸ء میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مودودیت اور دیو بندیت کے پر چار کی روک تھام کے لئے آپ نے طلباء اہلِ سنت کی ایک عالمگیر تنظیم بنام ''انجمن طلباء اسلام'' کی تشکیل دی، جس نے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ''انجمن طلباء اسلام'' فورم سے طلباء کو گمراہی اور بد عقیدگی سے بچانے کے لئے مثالی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

تبلیغی سفر:

۱۹۶۱ء میں آپ نے ''گوا'' کا دو مہینے کا تبلیغی دورہ کیا۔ اس دورے میں آپ نے ایک سو کے لگ بھگ تقریریں کیں اور عیسائیوں کے علاوہ بعض دیگر بد عقیدہ لوگوں سے بھی تبادلۂ خیال کیا اور مناظرے بھی کئے۔ چنانچہ کئی غیر مسلم مشرف بہ اسلام بھی ہوئے اور بہت سے بد عقیدہ لوگ باطل عقائد سے تائب ہوئے۔ علاوہ ازیں آپ یورپ اور مشرق وسطیٰ کے کئی ممالک کا دورہ کر چکے ہیں۔

تحریک پاکستان میں کردار:

تحریک پاکستان کے وقت اگرچہ آپ کمسن تھے، لیکن پھر بھی مسلم لیگ کے جلسے جلوس وغیرہ میں شریک ہونا، پاکستان کے حق میں نعرے لگانا اور لیگی

اخبارات کا مطالعہ کرنا آپ کا مشغلہ رہا تھا۔ آپ جنوری ۱۹۷۱ء سے اگست ۱۹۷۲ء تک جمعیت علماء پاکستان صوبہ سندھ کے جنرل سیکریٹری بھی رہے تھے اور ۱۹۷۱ء سے مارچ ۱۹۷۴ء تک مرکزی جماعت اہل سنت پاکستان کے ناظم اعلیٰ رہ چکے ہیں۔ پاکستان سنی کانفرنس ملتان (۱۶، ۱۷، ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۸ء) کے پہلے اجلاس میں آپ نے صوبہ سندھ کے نمائندہ کی حیثیت سے خطاب کیا تھا تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں آپ نے نمایاں کردار کا مظاہر کیا جس پر ملکی اخبارات گواہ ہیں۔

حکومت وقت کو چیلنج اور گرفتاری دی تھی۔ اکتوبر ۱۹۷۳ء میں آپ نے جمعہ کے خطبہ میں وقت کے سربراہ ذوالفقار علی بھٹو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

"جب تم وزیر خارجہ تھے، اُس وقت کا بھارتی وزیر خارجہ سورن سنگھ کراچی آیا تھا۔ اتفاق سے رمضان کا مہینہ تھا اس کے سامنے شراب پیش کی گئی تو اس نے پینے سے انکار کردیا اور کہا میں مسلمانوں کے مقدس مہینے کا احترام کرتا ہوں۔ یہ ایک ہندو کا کردار ہے اور مسلمان کے کردار میں فرق ہونا چاہیے"۔

اس پر آپ کے خلاف حکومت کی مخالفت میں نعرہ لگوانے کا الزام لگا کر گرفتار کیا گیا، لیکن آپ نے اظہار حق کی خاطر جیل کی کوٹھڑی کو بسر و چشم قبول کیا اور اکتالیس دن قید کی زندگی گزار کر رہا ہوئے۔[1]

---

(۱) تعارف علماء اہلسنت لاہور۔ مولفہ مولانا محمد صدیق ہزاروی

فریضہ حج کی ادائیگی:

۱۹۶۳ء میں آپ روضہ رسول (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اسی موقع پر آپ نے مدینہ منورہ میں حضرت پیر طریقت شیخ الاسلام مولانا ضیاء الدین مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دست حق پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

علامہ جمیل احمد نعیمی اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود کئی کتب کے مولف بھی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) برکاتِ صلوٰۃ وسلام
(۲) فضل التولد السید الرسل
(۳) سبیل امام حسین
(۴) فضائل سبیلِ امام حسین
(۵) فضائل عید الاضحیٰ
(۶) فضائل شعبان
(۷) فضائل لیلۃ القدر
(۸) فضائل نماز
(۹) فضائل جہاد
(۱۰) اہل سنّت کے لئے لمحہ فکریہ
(۱۱) تبلیغی جماعت کی حقیقت
(۱۲) تذکرہ تاج العلماء
(۱۳) کئی کتب پر مقدمات۔

علاوہ ازیں ملکی جرائد و رسائل میں آپ کے علمی، تحقیقی مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں آج کل آپ جمعیۃ العلماء پاکستان صوبہ سندھ کے صدر اور دار العلوم نعیمیہ کراچی کے ناظم تعلیمات اور مرکزی جماعت اہلِ سنّت پاکستان کے نائب صدر کے مناصب پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

علامہ مفتی محمد عبداللہ نعیمی بن محمد رمضان علیہما الرحمۃ

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں چاہ بار مکران رایران میں پیدا ہوئے ۱۹۳۵ء میں آپ کے والد ماجد نقل مکانی کر کے بلوچستان سے سندھ آ گئے۔ اور ملیر (کراچی) میں مستقل آباد ہو گئے۔ یہیں پر مفتی صاحب کی تعلیم کا آغاز ہوا، آپ نے مندرجہ ذیل علماء سے علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل فرمائی:

۱) مولانا حکیم اللہ بخش سندھی

۲) مولانا حافظ محمد بخش جہلمی

۳) مولانا محمد عثمانی مکرانی

مفتی عبداللہ نعیمی نے تاج العلماء کے زیرِ سایہ دارالعلوم مخزن عربیہ (کراچی) سے دورۂ حدیث کیا اور ۱۹۶۰ء میں سند فراغت اور دستار فضیلت حاصل کی۔ آپ نے ۱۹۵۵ء سے ہی صاحبداد گوٹھ (ملیر) کی اس مسجد میں تعلیم القرآن کے نام سے مدرسہ قائم کیا جہاں اب دارالعلوم قائم ہے۔ سند فراغت حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۱ء میں یہاں "دارالعلوم مجددیہ نعیمیہ قائم کیا اور اس نام کو دو عظیم ہستیوں سے موسوم کیا گیا یعنی حضرت شیخ احمد سرہندی مجددی الف ثانی (علیہ الرحمۃ) اور صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی جو سواد الاعظم اہلسنّت کے عظیم رہنما تھے۔ مفتی صاحب چونکہ نقشبندی مجددی تھے اور تاج العلماء کے شاگرد تھے جو حضرت صدر الافاضل (علیہ الرحمۃ) کے تلمیذِ رشید تھے، اس لیے اس نام میں ان نسبتوں کا بھی خیال رکھا۔ اسلام میں نسبتوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے جو اس راز سے واقف ہوتا ہے وہ ہمیشہ سرفراز ہوتا ہے

۱۹۶۱ء میں جب دارالعلوم مجددیہ نعیمیہ تعمیر ہوا تو مفتی صاحب نے خود

مزدوروں کے ساتھ کام کیا۔اس سے آپ کے اخلاص اور بے نفسی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو عمارت اخلاص نیت پر قائم ہو وہ بلند ہوتی رہتی ہے۔دار العلوم کے ساتھ ساتھ آپ نے دار العلوم کے اندر ہی محمدی مسجد تعمیر کرائی جس نے ماحول کو اور پاکیزہ اور مقدس بنادیا۔

مفتی صاحب طلباء کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے اور ان کے لباس و طعام کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ان کے ہر کام کو اپنے کاموں پر مقدس سمجھتے تھے، ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نوش فرماتے، وہ بیمار ہو جاتے تو آپ بیقرار ہو جاتے، خود علاج معالجہ کراتے۔طلباء کو سادگی کی تعلیم فرماتے اور عمل پر زور دیتے، کیونکہ وہ خود سراپا پیکر علم تھے۔دار العلوم مجددیہ نعیمیہ کا نظم وضبط دیدنی ہے۔اس کے متعلق مرحوم جسٹس ڈاکٹر مفتی سیّد شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ (۱) نے یہ اظہار خیال فرمایا۔

”طلباء میں اتنا عظیم الشان نظم وضبط صرف مفتی صاحب کی کرامت کا نتیجہ ہی کہا جاسکتا ہے“۔

مفتی صاحب سلسلہ قادریہ میں حضرت الحاج سیّد عبدالخالق شاہ مکرانی اور سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت الحاج عبداللہ سولنگی سندھی سے بیعت تھے اور انہیں سے انہیں خلافت بھی حاصل تھی آپ نے اپنے زمانہ حیات میں چند حضرت کو بیعت بھی فرمایا تھا۔

۱۹۷۱ء میں آپ حج بیت اللہ اور زیارت حرمین شریفین کی سعادت سے

---

(۱) بانی وشیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی۔آپ کافی عرصہ اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان اور ممبر سنڈیکیٹ جامعہ کراچی بھی رہے ہیں۔(نوری)

بہرہ ور ہوئے۔ اس وقت حضرت مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی المعروف حضور مفتی اعظم ہند (علیہ الرحمۃ) ابن الامام احمد رضا خان بریلوی بھی حج فرمارہے تھے آپ نے ان کی معیت میں ادا کیا۔

تبلیغ دین متین اور درس و تدریس کے علاوہ انھوں نے فتویٰ نویسی کے ذریعہ بڑی خدمت کی فتویٰ، نویسی اتنی آسان نہیں جتنی لوگ سمجھتے ہیں اس کے لئے سالوں کے مطالعے، مشاہدے، محنت، تحقیق و تدیق کے ذوق تنقید و تنقیح کے ملکہ، خداداصلاحیت وقابلیت، تحمل و تدبر اور مسائل سائل کے غرض و غایت کے ادراک، حالات اور ماحول کے تقاضوں کو سمجھنے کی لیاقت اور بہت سے دیگر امور کی ضرورت ہوتی ہے۔ سائل کی کتابوں اور فتووں کے مجموعوں کی روشنی میں فتویٰ دینے والا مفتی نہیں بلکہ مفتی ناقل ہے جس کے پاس صرف نقل کرنے کے لئے عقل ہوتی ہے کیونکہ نقل کے لئے بھی عقل چاہیے اور اب تو یہ عقل بھی عنقا ہوتی جارہی ہے۔ مفتی صاحب کتب تفسیر و حدیث اور فقہ پر عبور رکھتے تھے۔ ان کے فتوؤں سے ان کی بصیرت و تبحر علمی کے ساتھ ساتھ اخلاص بے نفسی اور عدل پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اسی لیے وہ مرجع نام تھے۔ جسٹس ڈاکٹر مفتی شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ مفتی صاحب کی فتویٰ نویسی پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مفتی صاحب کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ کے فتویٰ ہاں یا نہیں تک محدود نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ کے فتاویٰ نہایت مدلل اور نصوص کتب سے مالا مال ہوتے تھے اندرون سندھ کے لئے وہ بلاشبہ مرجع فتوی تھے اور بڑے اہم فتوے ان کے پاس آتے تھے۔

میری نظر میں مفتی صاحب عاشق رسول تھے، اور نعتیہ کلام سن سن کر دل ہی گرم رکھتے تھے، وہ مولانا حسن رضا خاں بریلوی کا یہ شعر سن کر خوب جھومتے تھے:

دل میں ہو یاد تری گوشہ تنہائی ہو
پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

اللہ اکبر! یہ عشق رسول ہی تھا جس کی وجہ سے سادات کرام کی بہت تعظیم کرتے تھے، ان کے ہاتھ چومتے کہ ان کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نسبت ہے۔ ساری کرامت نسبتوں کی ہے، افسوس اس روز کو نہ سمجھنے والوں نے اب تک نہ سمجھا اور قرآن حکیم سے بھی سبق نہ لیا۔ مقام ابراہیم تابوت سکینہ، پیرہن یوسف یہ سب نسبتوں کی یادگاریں ہین بلکہ خود بیت اللہ شریف عالی نسبتوں کا خزانہ ہے۔

یہ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھا جس نے مفتی صاحب کو صفاتِ حسنہ کا پیکر بنا دیا تھا وہ بڑے حلیم الطبع تھے اور نرم گفتگو گرم دم جستجو کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ روٹھنے والوں کو خود جا کر منالیا کرتے تھے، یہ صفت علماء میں عنقا ہوتی جارہی ہے۔ ایک ہی مسلک کے علماء آپس میں روٹھے رہتے ہیں اور عوام اہلسنت حیران و پریشان ایک ایک کا منہ تکتے ہیں۔ بلکہ اب تو فقراء میں بھی صلہ رحمی کی یہ صفت معدوم ہوتی جارہی ہے اور خانقاہی عصبتیں یک جہتی کو پارہ پارہ کررہی ہیں۔ (نوری غفرلہٗ)

مفتی صاحب کے تقویٰ و پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ مشکوک مال سے بھی پرہیز فرماتے تھے اکثر مدارس عربیہ والے حکومت کی طرف سے دی جانے والی زکوٰۃ کو تصرف میں لاتے ہیں بلکہ کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ زکوٰۃ ملے مگر مفتی صاحب نے یہ زکوٰۃ کبھی قبول نہیں فرمائی ان کی نظر میں اس کو قبول کرنے میں یہ روکاوٹیں تھیں۔

۱) حکومت غاصبانہ طریقے سے زکوٰۃ وعشر وصول کرتی ہے جس میں معطی کی نیت کا دخل نہیں جب کہ زکوٰۃ کے لئے دینے والوں کی نیت شرط ہے۔

۲) زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے یعنی جس کو زکوٰۃ دی جائے اس کو مالک بنایا

جائے۔ یہ شرط بھی یہاں مفقود ہے۔

۳) زکوٰۃ کے لئے ملک صحیح ہونا بھی شرط ہے، مال مغصوبہ کبھی مالِ زکوٰۃ نہیں ہوسکتا اور حکومت زکوٰۃ کا مال جبراً خلاف شرع وصول کرتی ہے۔

''میرا ضمیر گوارہ نہیں کرتا کہ اس قسم کا ناجائز مال اپنے طلباء پر خرچ کروں''۔[1]

ایسے مالِ زکوٰۃ کے علاوہ جو صاحب نصاب براہ راست مدرسہ کے لیے پاکیزہ مال دیتا قبول فرمالیتے اور اس کو بھی کمال تقویٰ واحتیاط سے خرچ کرتے جو احتیاط دوسرے مدارس عربیہ میں کم ہی نظر آتی ہے۔ ان کے حزم واحتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب بڑے صاحبزادے مولانا غلام محمد شہید (علیہ الرحمۃ) ۱۹۸۲ء میں بی۔اے کرنے کے بعد بینک میں ملازمت کے لیے دعا کی درخواست کی تو فرمایا:

''بیٹا دار العلوم تمہارا ہے اور اب تم کو ہی چلانا ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ بینک کی سود والی رقم تم گھر میں لاؤ۔ اس نصیحت کے چند روز بعد مفتی صاحب حادثے میں شہید ہوگئے۔[2]

کراچی میں بھی شہادت سے قبل جو کچھ آپ نے فرمایا وہ نورانیتِ قلب پر گواہ ہے۔ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ میں مسجد غوثیہ میں آخری خطبۂ جمعہ میں آپ نے فرمایا:

آپ حضرات مسجد میں کسی اور خطیب کا انتظام فرمالیں، ممکن ہے کہ میں آئندہ جمعہ سے نہ آسکوں۔ (۲)

---

(۱) فتاویٰ نعیمیہ، ج ص ۱۲۰

(۲) اس حادثے کے ۳ ماہ پہلے راقم الحروف نوری غفرلہ حضرت قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانیؒ کے ہمراہ ٹھٹھہ سندھ میں ایک جلسہ عام میں شریک تھا اور آپ نے اس جلسہ عام کی صدارت فرمائی تھی۔ جس میں یہ اعلان بھی کیا تھا کہ شاید میں دوبارہ ٹھٹھہ نہ آسکوں لیکن قائد اہلسنت کے دامن سے وابستہ رہنا۔

وصال سے ایک روز قبل آخری جمعہ کو بعد نماز عشاء طلباء کو ہال میں جمع کر کے فرمایا:

''آج مجھ سے جو مسائل وغیرہ دریافت کرنے ہوں کرلو، آج کے بعد تم کس سے پوچھو گے؟ کون تم کو بتائے گا؟''۔

دوسرے دن جمع کو فجر کی نماز پڑھائی، پھر طلباء کو نصیحتیں فرمائیں اور ایک طالب علم سے فرمایا:۔

''گھر سے میرے لئے ایک کرتہ لے آؤ سفر میں ضرورت پیش آئے گی تو استعمال کرلوں گا''۔

چنانچہ جوڑے کے بجائے صرف ایک کرتہ ساتھ لیا اور بذریعہ کار سہون شریف روانہ ہو گئے۔ بڑے صاحبزادہ مولانا غلام محمد (شہید) کار چلا رہے تھے۔ جب آخری اسٹاپ آمری پر کار پہنچی تو کار کا اچانک دروازہ کھل گیا، مفتی صاحب چلتی گاڑی سے نیچے آرہے، شدید زخمی ہوئے، کرتا تار تار ہو گیا اور وہ کرتا جو ساتھ لیا تھا پہنایا گیا۔ حادثے کی خبر دنیائے سنت پر بجلی بن کر گری، مفتی صاحب کو سہون شریف سے حیدرآباد سندھ لایا گیا اور یہاں سے کراچی لے جایا گیا برابر خون نکلنے کی وجہ سے آپ بہت کمزور ہو گئے تھے، ڈاکٹروں نے تجویز کیا کہ خون چڑھایا جائے، جب آپ نے سنا تو برملا فرمایا:

''میرے جسم میں یہ پلید خون مت چڑھاؤ''۔

اللہ اکبر یہ تقویٰ و احتیاط فرمانا گوارہ ہے مگر یہ ہرگز گوارہ نہیں کہ کسی انجان انسان کا خون، کہ شاید گناہوں میں ملوث ہو، شاید اپنے رب کا سرکش ہو، شاید

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ ہو۔ ان کے پاک جسم میں چڑھایا جائے۔

۱۰رشوال المکرم ر۳۰رجولائی ۱۹۸۲ءکورات ۳ بجے کلمہ طیب پڑھااور آخری ہچکی لی۔

دل تو جاتا ہے اس کے کوچے میں

جا میری جان، جا، خدا حافظ

ہاں جانِ عزیز جاں آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

روح پرواز کرنے کے باوجود قلب ذکرالٰہی میں ۲۰ منٹ تک مستغرق رہا۔ یہ دیکھ کر ڈاکٹر بھی حیران رہ گئے۔ استاذی حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری (علیہ الرحمۃ) شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی نے نماز جنازہ پڑھائی اوردارالعلوم مجددیہ نعیمیہ کے احاطے میں لحد میں اتارا گیا یہ وہی زمین ہے جس کی آپ پہلے ہی نشاندہی فرما چکے تھے۔ اُدھر آفتاب غروب ہورہا تھا اور اِدھر یہ آفتاب علم وعرفان غروب ہورہا تھا۔

نہ پیوستم دریں بستاں سبرا دل

زنبدایں وآں آزا وہ رفتم

چور بار صبح گریدم وے چند

گلاں را آب و رنگے دادہ رفتم

مفتی صاحب نے پس ماندگان میں ۶ صاحبزادگان، ۵ صاحب زادیاں اور ایک بیوہ سوگوار چھوڑیں صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

۱) مولانا غلام محمد جان نعیمی (شہید)

۲) مولانا محمد قاسم جان

۳) علامہ محمد جان نعیمی

۴) بشیر احمد جان

۵) نذیر احمد جان

۶) منیر احمد جان

اور معنوی اولاد سندھ، بلوچستان، پنجاب اور دوسرے علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ان کے بعد ان کے جواں سال صاحبزادے مولانا غلام محمد نعیمی علیہ الرحمۃ نے نہ صرف یہ کہ ان مراسم کو قائم رکھا بلکہ فروغ دیا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اولاد کی کس طرح تربیت فرمائی تھی؟۔انھوں نے اپنا خلوص ولگن اولاد میں منتقل کردیا تھا۔خدا کی شان فاضل نوجوان مولانا غلام محمد نعیمی (علیہ الرحمۃ) جوانی ہی میں ایک اور حادثہ میں شہید ہوگئے۔پھر ان کے چھوٹے بھائی مولانا مفتی محمد جان نعیمی زید مجدہ، دارالعلوم کی گوناگوں مصروفیات اور اہتمام و انصرام کی ذمہ داریوں کے باوجود علمی ذوق کو پروان چڑھانے اور تنظیمی اعتبار سے مرکزی جماعت اہلسنّت کے فروغ کے لیے کوشاں رہتے ہیں اللہ تعالٰی انہیں ہمت واستقامت عطا فرمائے۔(آمین)

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

خلاصہ بحث

۱) حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی (علیہ الرحمۃ) حضرت صدرالافاضلؒ کے خاص الخاص تلامذہ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلفاء میں سے تھے جو صدر

الافاضل (علیہ الرحمۃ) کے بعد جامعہ نعیمہ مرادآباد کے شیخ الحدیث اور مہتمم کی حیثیت سے ۴۰ سال تک خدمات انجام دیں۔

۲) آپ نے حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی (علیہ الرحمۃ) حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی، مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی، مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی محدث اعظم ہند سیّد محمد اشرفی الجیلانی کچھوچھوی، حضرت شیخ المشائخ اشرفی میاں (علیہ الرحمۃ) کچھوچھوی کی سرپرستی میں تحریک پاکستان کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔

۳) جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے بنام "السوادالاعظم"، ماہنامہ کا اجراء فرما کر گمراہ کن سیاسی اور مذہبی تحاریک کا قلمی مقابلہ کیا تحریک پاکستان کے سلسلے میں مسلسل مضامین تقاریر اور دیگر قربانیوں کی وجہ سے آپ کو متعصب ہندوؤں نے مرادآباد میں رہنا دو بھر کردیا تھا اور خوف تھا کہ آپ کو ناگفتہ بہ ایذا نہ دیدیں، چنانچہ ۱۹۵۱ء میں آپ کو مراد آباد میں اپنا آبائی مکان، عظیم الشان ادارہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد کو اپنے تلامذہ کے حوالہ کرکے پاکستان ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

۴) آپ نے امام اہل سنت فاضل بریلوی (علیہ الرحمۃ) کے ترجمہ قرآن کنزالایمان کی پہلی دفعہ طباعت کا اہتمام کیا جبکہ مالی تعاون میں صدرالافاضل کے علاوہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ایک خلیفہ مولانا حاجی لعل خان مدراسی (علیہ الرحمۃ) جو ایک تاجر بھی تھے اور کلکتہ میں مقیم ہوگئے تھے انھوں نے بھی بھرپور حصہ لیا تھا۔

کنزالایمان حاشیہ بنام خزائن العرفان حضرت صدرالافاضل سے آپ نے ہی املاء کیا تھا جو کئی جلسوں میں مکمل ہوا تھا۔ راقم کی رائے میں حاشیہ مطالعہ کرنے

کے بعد ایسا لگتا ہے کہ آپ ایک عظیم محدث، مفسر اور فقیہ تھے۔

۵) دیگر علوم وفنون میں تدریسی کمال رکھنے کے ساتھ ساتھ علم وفقہ وحدیث آپ کا خاص موضوع وفن رہا۔

۶) ملکی حالات و واقعات سے کبھی غافل نہیں رہے، آپ ایک دور اندیش سیاست دان بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے ماہنامہ "السواد الاعظم" میں جب کئی سال پہلے جن حالات کی طرف تجزیاتی جائزہ پیش کیا تھا۔ وہ آج بھی ہمارے سامنے ویسے ہی نظر آتا ہے۔ انسان بدل گئے لیکن حالات اس سے زیادہ بدتر ہیں آپ نے تحریک سوراج اور تحریک کانگریس اور مسلمانان ہند کے نام سے جو تجزیہ پیش کیا تھا ۱۹۴۷ء میں اور اس کے بعد سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہندوؤں نے ہمیشہ ہی مسلمانوں کو آگے رکھ کر انگریزوں سے مراعات وفوائد حاصل کیے ہندوؤں نے انگریزوں کو باور کرایا کہ تمہارے اصلی مخالف اور دشمن تو مسلمان ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، لہٰذا انگریزوں نے ہندوؤں کے در پردہ تعاون اور کبھی ظاہرہ مدد سے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اور آج بھی ہندو انگریزوں کے ساتھ ملکی مسلمانوں کو برصغیر سے ختم کرنا چاہتے ہیں اور آج بھی فلسفہ گاندھی پر عمل ہو رہا ہے۔ کشمیر، گجرات، احمد آباد، بڑودہ اور دیگر مقامات پر ہندوؤں نے مسلمانوں کا نہ صرف قتل عام کیا اور املاک دکانیں جلائیں بلکہ یہ نعرہ لگایا کہ اگر تم ہندوستان میں رہنا چاہتے ہو تو تمہیں ہندو بن کر رہنا پڑے گا یہی مہاتما گاندھی کا مسلمانوں کے خلاف وہ در پردہ نظریہ تھا جس کی مخالفت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور ان کے خلفاء وتلامذہ نے بڑی شدومد سے کی تھی اور اس کا نام دوقومی نظریہ رکھا گیا۔ یعنی ہندوستان میں ہندو انگریز اور سکھ ہی نہیں رہتے مسلمان بھی برابر کے حقوق رکھتے ہیں مسلمانوں نے ہزاروں سال ہندوستان پر

حکومت کی ہے ان کو ہندوستانی سیاست اور حقوق سے الگ تھلگ رکھا جائے ہندوستان کو صرف ہندو ریاست بنانا نہایت ہی خطرناک ہوگا انگریزوں کے اس نظریے کو حضرت مجدد الف ثانی نے اکبری دور میں ہی گائے کی قربانی کر کے پاش پاش کر دیا تھا پھر سرسید، قائداعظم محمد علی جناح اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور اُن کے خلفاء نے مخالفت کی ایک مسلم اسٹیٹ کے لیے راہ ہموار کی جو ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے نام سے وجود میں آیا، افسوس ہے کہ بعض نام نہاد لیڈر اب دوقومی نظریہ کی نفی کرنے میں پیش پیش ہیں اس طرح وہ پاکستان کی نفی کر رہے ہیں (نوری)

مولانا مفتی اطہر نعیمی ابن علامہ المفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ

آپ ۱۹۲۶/ ۱۳۴۵ھ کو مرادآباد انڈیا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی فاضل عربی درس نظامی منشی، کرنے کے بعد ۱۹۴۶ء میں جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے سندِ فراغت حاصل کی۔ (واضح رہے کہ یہ سند جامعہ کراچی میں ایم اے اسلامیات کے مساوی قرار دی گئی ہے)۔

آپ کے دستار فضیلت میں حضرت استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، حضرت محدث اعظم ہند مولانا سید محمد الجیلانی کچھوچھوی، حضرت علامہ المفتی محمد اجمل شاہ سنبھلی، حضرت علامہ الحاج السید مختار اشرف کچھوچھوی سجادہ نشین کچھوچھوی کے علاوہ اس دور کی مقتدر علمی وروحانی شخصیات نے شرکت فرمائی۔

۱۹۵۰ء میں ہندوستان سے ہجرت فرما کر لاہور آ گئے اور پھر لاہور سے کراچی آ کر مقیم ہو گئے۔ اور الحمد للہ تا حال باحیات ہیں اور قلت سماعت کا شکار ہیں۔

☆ مختلف سرکاری عہدے پر فائز رہے ان میں مرکزی رویت ہلال کمیٹی

پاکستان کے چیئرمین اور سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل آف پاکستان رہے،

☆ اعزازی خطیب جامع مسجد آرام باغ کراچی میں ۳۵ سال تک خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

☆ کئی بین الاقوامی تبلیغی دورے بالخصوص انڈونیشیا، ملائشیا، ایران وغیرہ جا چکے ہیں۔

☆ علمی مصروفیات میں آپ نے شفا شریف کا ترجمہ کیا۔اس طرح معارج النبوت، بنام...... چھمیاں حج اور عمرہ کے احکامات ترجمہ مکتوبات رشیدیہ وغیرہ شامل ہیں۔

☆ اخبارات و مجلات بھی آپ کے مضامین و مقالات کے گاہے بگاہے شائع ہوتے رہتے ہیں۔آپ کے علاوہ صدر الافاضل کے خلفاء میں مولانا اختصاص الدین مولانا ظفر الدین (دونوں ہی آپ کے صاحب زادے تھے) مولانا غلام محی الدین، مولانا نذیر الاکرم، مولانا شائق احمد نعیمی مولانا نور الصفاء چاٹگامی (بنگلہ دیش) وغیرھم کے اسمائے گرامی معروف ہیں۔آپ حضرات نے بھی اپنے استاد صدر الافاضل، حضرت تاج العلماء علیھا الرحمۃ کی سرپرستی میں تدریس، تصنیفی خدمات کے علاوہ ملکی سیاسیات میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔

ڈاکٹر مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی دہلوی مدظلہ

آپ ۱۹ رجنوری ۱۹۳۸ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔دین کی تعلیم کا آغاز مدرسہ حسین بخش جامعہ مسجد دہلی سے کیا۔فارسی و عربی کتب علامہ محمد نسیم احمد دہلوی خطیب جامع سنہری سید چاندنی چوک دہلی سے پڑھیں۔قیام پاکستان کے بعد آپ

نے کراچی میں حضرت صدر الافاضل بدر الاماثل استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اشرفی الرضوی علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید اور خلیفہ خاص جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے شیخ الحدیث تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی رضوی مراد آبادی علیہ الرحمہ کی عظیم درسگاہ مدرسہ بحر العلوم مخزن عربیہ آرام باغ کراچی سے تکمیل کی۔ علاوہ ازیں کراچی کے مختلف تعلیمی مراکز جدیدی علوم کا اکتساب کیا ہے اور ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی سے ایم بی بی ایس کی تعلیم کا آغاز کیا جس کی تکمیل انگلستان میں جا کر کی۔ آپ کی مستقبل رہائش گاہ کراچی ڈیفنس میں ہے۔ آپ نے کراچی میں ایک دینی درسگاہ مظاہر العلوم جامعہ طاہریہ اشرفیہ قائم کی جس میں درس نظامی کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہے آپ نے ۲۰۰۳ء میں لاہور میں بھی جامعہ طاہریہ اشرفیہ کی ایک برانچ قائم کر کے اس درسگاہ کو یونیورسٹی کی سطح تک لے جانے کا عزم صمیم رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر سید اشرف الاشرفی الجیلانی کو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص والہانہ محبت اور لگاؤ ہے اس محبت کے پیش نظر حج وعمرہ کی ادائیگی تواتر سے کرتے ہیں اور بلادِ یورپ کی سیاحت اور آمد ورفت کے باوجود عادات واطوار اور اخلاق ومعمولات میں آپ پر سلفِ صالحین کا رنگ غالب ہے۔ آپ نے سلسلہ اشرفیہ سمنانیہ کی روحانی تنظیم کے فروغ کے لیے حلقہ اشرفیہ پاکستان (رجسٹرڈ) کے نام سے ایک تنظیم قائم کر رکھی ہے اور اس کے زیر اہتمام ہر سال حضرت مخدوم سمنان سیمنار کا انعقاد ہوتا رہتا ہے۔

علاوہ ازیں آپ کئی کتاب کے مولف ومصنف ومترجم بھی ہیں اور بعض

اوقات اپنے خوبصورت ادبی کلام سے سامعین کو محفوظ کرتے ہیں یہ کیوں نہ ہو کہ آپ تو بنیادی طور شاعروں کے دیش سے تو تعلق رکھتے ہیں۔آپ کی شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی شاعری میں زیادہ تر مذہبی ادبی تصوفانہ رنگ کی آمیزش ہے۔ آپ سے روحانی وابستگی میں زیادہ تر پڑھے لکھے لوگ ہی روحانی لذت محسوس کر سکتے ہیں اب تو پاکستان کے علاوہ یورپ، امریکہ اور بلادِ عرب میں معتقدین کا روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔[1]

(۱) کئی ملاقات میں راقم الحروف نے آپ سے مذکورہ معلومات حاصل کیے (نوری غفرلہ)

مراجع

۱) تحریک آزادی ہند اور ''السواد الاعظم''، ص ۲۶۰، مولف ڈاکٹر مسعود احمد، مطبوعہ رضا پبلی کیشنز لاہور۔

۲) ''تذکرہ اکابر اہلسنت''، ص ۲۹۶، مولانا عبدالحکیم شرف القادری، مکتبہ قادریہ، لاہور۔

۳) ''السواد الاعظم''، ربیع الاوّل، ص ۱۲، ۱۳۴۶ھ، مطبوعہ، مراد آباد۔

۴) ''السواد الاعظم''، ذی قعد، ص ۲، ۱۳۴۸ھ

۵) ''السواد الاعظم''، ربیع الاوّل، ص ۸، ۱۳۳۹ھ

۶) ''السواد الاعظم''، ۱۳۳۹ھ، مراد آباد۔

۷) ''السواد الاعظم''، ذی القعدہ ۱۳۴۸ھ، ص ۲۹۔

۸) ''فرقہ اقوام''، ص ۸، مولف مفتی محمد عمر نعیمی مطبوعہ، مراد آباد ۱۹۲۶ء

۹) جریدہ انصاری، دہلی ۱۹ / مارچ ۱۹۴۰ء

۱۰) اخبار مدینہ ''بجنور''، ۱۷ / اگست ۱۹۳۹ء

۱۱) اخبار ''انقلاب''، بمبئی ۲۷ / اگست ۱۹۴۵ء

۱۲) بتصرف ڈاکٹر مسعود احمد، ص ۲۷۲، السواد الاعظم''۔

۱۳) تذکرہ علماء اہلسنت، ص ۱۸۸، (محمود احمد قادری)، مطبوعہ سکھر / سندھ

۱۴) ماہنامہ السواد الاعظم ۱۳۳۹ھ مراد آباد

۱۵) ماہنامہ النعیم کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء

حکیم الامت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں بدایونی نعیمی علیہ الرحمتہ

شیخ التفسیر والحدیث والفقہ حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں ابن مولانا محمد یار خان بدایونی شوال ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں محلہ قلعہ کھیڑہ/اوجھیانی ضلع بدایوں، یوپی میں پیدا ہوئے۔ آپ روحانی اعتبار سے حضرت شیخ الاسلام سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمتہ کے مرید تھے۔

تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی، پھر مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں داخل ہو کر ۱۹۱۶ تا ۱۹۱۹ء میں مولانا قدیر بخش بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اساتذہ سے اکتساب فیض کیا، اسی زمانے میں بریلی جا کر حضرت اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کی زیارت سے مشرف بھی ہوئے۔

مدرسہ شمس العلوم بدایوں کے بعد مدرسہ اسلامیہ، مینڈھو (ضلع علی گڑھ) میں داخل ہوئے چونکہ یہ مدرسہ دیو بندی مکتب فکر سے تھا۔ اس لیے وہاں سے تعلیم ترک کر کے مراد آباد، چلے آئے اس واقعہ کا ذکر مفتیؒ صاحب نے اپنے مجموعہ کلام "دیوانِ سالک" کے ایک حاشیہ میں بھی کیا ہے۔

آپ جامعہ نعیمہ مراد آباد میں داخل ہوئے اور حضرت صدر الافاضل مولانا شاہ سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ (قدس سرہ) کی مردم شناس نگاہوں نے جو ہر قابل پہچان لیا اور ابتدائی طور پر خود پڑھانا شروع کیا، پھر بے پناہ مصروفیات کی بناء پر حضرت مولانا احمد حسن کانپوری) جو اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی (علیہ

الرحمۃ) کے تلمذ وخلیفہ بھی تھے انہیں مراد آباد بلا کر مفتی صاحب کی تعلیم ان ہی کے سپرد کردی، ایک سال بعد مولانا مشتاق کانپوری میرٹھ تشریف لے گئے مفتی صاحب بھی استاذ گرامی کے ساتھ رہے اور ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء میں درس نظامی سے فراغت حاصل کرلی، اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔

تدریس:

آپ نے درس نظامیہ کی تکمیل کے بعد عملی زندگی کا آغاز جامعہ نعیمیہ مراد آباد سے کیا، جہاں تدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی کا کام بھی آپ کے ذمہ تھا بعد ازاں "مدرسہ مسکینیہ" دھوراجی، کاٹھیاواڑ گجرات میں نو سال تک تدریس اور خطابت کے فرائض انجام دیے، اس کے بعد پھر آپ نے ایک سال کے لیے "جامعہ نعیمیہ مراد آباد اور تقریباً تین سال رکچھوچھ شریف رضلع فیض آباد یوپی میں تدریسی خدمات انجام دیے) پھر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا سیّد ابوالبرکات شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لاہور کے بلانے پر آپ پاکستان تشریف لائے اور تقریباً بارہ تیرہ برس دارالعلوم خدام الصوفیہ گجرات، اور دس برس انجمن خدام الرسول میں فرائض تدریسی انجام دیے، وصال سے قبل تک جامعہ غوثیہ نعیمیہ (۱) گجرات میں تصنیف وتالیف افتاء اور تدریس کا کام انجام دے رہے تھے۔ تصنیفات کا ذکر آئندہ آئے گا۔

---

(۱) جامعہ غوثیہ نعیمیہ آپ نے اپنے استاد حضرت صدر الافاضل کی یاد میں شہر گجرات میں قائم کیا۔ اور اسی ادارے کے تحت آپ نے بے شمار دینی وسیاسی تدریسی تصنیفی خدمات انجام دیے اب آپ کے صاحب زادگان کی اولاد میں سے کوئی صاحب دینی خدمات انجام دے رہے ہیں (نوری)

سیاسی خدمات:

۱۹۴۶ء میں جب مرکزی انتخابات ہوئے تو ہر طرف مسلم لیگ اور پاکستان کا نعرہ بلند تھا، علاقہ ''روہیل کھنڈ'' خاص طور پر بریلی میں صرف مسلم لیگ کا شہرہ تھا، بدایوں کے علماء وعمائدین میں مولانا عبدالحامد بدایونی، خواجہ غلام نظام الدین، مولانا عبدالصمد مقتدری اور مولانا احمد یار خان نعیمی نے بڑا کام کیا اور عوام کو مسلم لیگ میں شمولیت کے لیے دور دراز علاقوں کا دورہ کیا۔

قصبہ اوجھیانی مفتی احمد یار خان کے آبائی گاؤں میں مسلمانوں کے تقریباً ۱۷ ووٹ تھے جن میں سے پندرہ ووٹ، مسلم لوگ کو ملے آخری ووٹ مفتی احمد یار خان نعیمی کا تھا علاقہ کے مسلمان اور عوام بہت خوش تھے کہ مفتی صاحب صرف ووٹ ڈالنے کے لئے گجرات پنجاب سے سفر کر کے اوجھیانی پہنچے تھے، تاکہ اپنے ووٹ سے مسلم لیگ کے امیدوار کو کامیاب کرسکیں، مفتی صاحب اگرچہ درس وتدریس میں زیادہ تر وقت صرف کرتے تھے تاہم مختلف مواقع پر ملی اور سیاسی تحریکوں میں بھی خدمات انجام دیتے رہے تھے بالخصوص تحریک پاکستان کے سلسلہ میں حضرت صدر الافاضل مولانا شاہ سید نعیم الدین مراد آبادیؒ نے قرارداد پاکستان کے لیے جو کوششیں کیں مفتی صاحب اس میں برابر شریک رہے ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں نظریہ پاکستان کی تائید کے لیے بنارس میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' منعقد ہوئی تو آپ پنجاب کے علماء ومشائخ کے تعلیمی وفد میں شامل تھے۔

زیارت حرمین:

آپ پانچ دفعہ حج وزیارت سے مشرف ہوئے ۴۶ سال تک خدمت درس و

تدریس میں سینکڑوں علماء کو فیض یاب فرمانے کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل تصانیف کا ایک معتد بہ ذخیرہ یادگار چھوڑا جس سے مسلک اہلسنت و جماعت کو فروغ دینے میں بڑی تقویت ملی۔

تصانیف

۱) تفسیر نعیمی (تفسیر مکمل رمطبوعہ رگجرات)

۲) نعیم الباری شرح بخاری، بخاری شریف عربی حاشیہ، غیر مطبوعہ۔

۳) مرأۃ المناجیح فی شرح مشکواۃ المصابیح، مجلدات ۸، مطبوعہ گجرات۔

۴) نورالعرفان فی حاشیہ القرآن، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلویؒ کے ترجمہ قرآن کنزالایمان پر تفسیری حاشیہ، مطبوعہ، لاہور۔

۵) جاءالحق دو جلدیں، اردو مطبوعہ علمی تنقیدی کتاب، علم العقائد۔

۶) شان حبیب الرحمٰن رفی آیات القرآن، مطبوعہ (سیرت)

۷) علم المیراث، مطبوعہ، فقہ

۸) اسلامی زندگی، مطبوعہ

۹) سلطنت مصطفیٰ (مطبوعہ) سیرت

۱۰) دیوان سالک، مطبوعہ، ادب وتصوف وشعر

۱۱) علم القرآن، مطبوعہ

۱۲) رسالہ نور، مطبوعہ (سیرت النبی)

۱۳) رحمت خدا بوسیلۂ اولیاء مطبوعہ (فضائل وکتاب وسنت)

۱۴) مواعظ نعیمیہ، خطبات، مطبوعہ گجرات

۱۵) نئی تقریریں، خطبات، مطبوعہ گجرات

۱۶) فتاویٰ نعیمیہ، فقہ، مطبوعہ

اس طرح آپ نے تدریس، تصنیف و تالیف کے علاوہ پاکستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے استفتاء کے جوابات بھی دیے، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ آپ سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات میں ''فتاویٰ نعیمیہ'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب مطبوعہ ہے فتاویٰ نعیمیہ حصہ اول ص ۱۴۱ میں ایک فتویٰ درج ہے جو مولانا کفایت اللہ دہلوی کے رد میں ہے۔ اس فتویٰ کے اقتباسات سے ہی حضرت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی کے تبحر علمی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قارئین کے لیے صرف ایک اقتباس درج کیا گیا ہے:

''مدرسہ امینیہ دہلی کا فتویٰ جو مفتی کفایت اللہ دھلوی کی تصحیح سے ایصالِ ثواب، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، سہ ماہی، برسی وغیرہ کے متعلق تحریر کیا گیا ہے اس فتویٰ کے ردّ میں مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں کہ اس مسئلے میں مفتی کفایت اللہ نے لکھا ہے کہ ان میں سے کوئی فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے ثبت نہیں۔ اس تحریر سے مفتی کی کیا مراد ہے؟ آیا یہ ہے کہ ان امور کی اصل ثابت نہیں یا یہ کہ ہیئت ثابت نہیں؟۔ بہ تقدیر اوّل غلط کہ ان تمام امور کی اصل طاعات سے ایصال ثواب کرنا ہے اور بالیقین قولاً وفعلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور یہ عقائد اہلِ سنّت میں سے

ہے چنانچہ شرح عقائد میں ہے:۔

”وفی دعاء الاحیاء الاموات، و صدقاتهم ای صدقة الاحیاء عنهم ای عن الاموات نفع لهم ای للاموات“

اور احادیث کثیرہ سے ایصال ثواب ثابت ہے، اس کو یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت، نہ صحابہ کرام نہ تابعین، نہ تبع تابعین اجمعین سے نہ آئمہ مجتہدین؛ سے کذب محض اور افتراء خالص اور بہتان ہے، دنیا میں ایسا مفتی بھی موجود ہے جس کو یہ خبر نہیں کہ ایصال ثواب خود حضور سے ثابت ہے، حضور کے اصحاب واتباع کا معمول ہے، یہ علم اور فتوے نویسی لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم اور اگر مراد یہ ہے کہ ہیائت ثابت نہیں تو اس پر دلیل شرعی قائم کرنی ہوگی کہ کسی چیز کی مشروعیت کے لیے اس کے جملہ خصوصیات ہئیات کا اثبات بھی ضروری ہے؟ ایسا ہو تو قرآن کے اعراب اس کے پارے، منزلیں، رکوع، وغیرہ مقرر کرنا اور کتب احادیث جمع کرنا اور ضبط احوال رواۃ، یہ سب بدعت ہوں گے تدوین علوم دینیہ تفاسیر قرآن و مدارس اسلامیہ، سب ممنوع ہو جائیں گے کہ یہ امور مع اپنی خصوصیات وہئیات کے زمانہ اقدس میں ثابت نہیں، لہٰذا کسی شق پر بھی مفتی کا کلام صحیح نہیں، اس کے بعد مفتی نے لکھا ہے کہ جو چیز خود یا اپنی مثال اور نظیر کے ساتھ خیر القرون میں کسی وقت نہ پائی جاء اس کو حکم شرعی سمجھا جائے وہ بدعت اور قابل رشک ہے اور اس کا مرتکب گناہ گار ہے مفتی صاحب مثل ونظیر سے کیا مراد لیتے ہیں؟ یہی کہ اس شے کی ہو بہو نقل خیر القرون میں نہ ہو۔ تب تو ان کی فتویٰ نویسی بھی بدعت کہ اس طرح کا فتویٰ دینا مہر لگانا خیر القرون میں کہاں تھا؟ مدرسہ امینیہ ہی بدعت، ایسے مدرسہ ان خصوصیات وہئیات کے ساتھ خیر القرآن میں کب پائے گئے تھے؟ اور اگر یہ خصوصیات ملحوظ نہیں تو ایصال ثواب بیشک پایا جاتا ہے

ہندوستان میں سبیل لگائی جاتی ہے، شربت اور پانی پلایا جاتا ہے زمانہ نبوی میں کنواں بنا کر ایصال ثواب کیا جاتا تھا اس صورت میں امور مذکورہ کو بدعت قرار دینا جہل اور باطل ہے پھر خیر القرون میں بدعت کی قید کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ مفتی کا یہ فرمانا کہ اس کو حکم شریعت سمجھا جائے اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ آیا یہ کہ اس کو مباح سمجھا جائے یہ معنی کبھی مفتی صاحب کے تصور میں بھی نہ آئے ہوں گے؟ لفظ لکھتے اور معنی نہیں سمجھتے اس کی تو مفتی صاحب کو تکلیف دیجیے کہ وہ حکم شرعی سمجھنے کا مقصد بیان کرے مگر اس کا یہ حکم اس کے سارے فتوے کو باطل کرتا ہے کیوں کہ مفتی نے اس کے اوپر لکھا ہے کہ تمام رسومات بعد کے لوگوں کے اختراعات ہیں تو جو چیز بقول مفتی رسوم میں داخل ہے اور اس کے عامل اس کو رسوم سمجھ کر کرتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ وہ حکم شرعی نہیں سمجھی گئی، لہٰذا مفتی کے نزدیک بھی بدعت نہیں ہوئی اور مفتی کا اس کو بدعت اور قابل ترک اور اس کے مرتکب کو گناہ گار بتانا غلط اور باطل ہوا اور ایسے باطل حکم کو جو اپنا دل سے گھڑا ہو۔ بصورت فتویٰ لکھ کر یہ ظاہر کرنا کہ یہ حکم شرعی ہے ایسی بدعت سئیہ ہے جس پر اس مفتی کی تعریف پوری صادق آتی ہے، آخر میں مفتی نے لکھا ہے لہٰذا یہ تمام رسوم بدعات ہی ہیں اور ان کا ترک کرنا اور ان کے رکوانے میں کوشش کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے بحمد اللہ خوب واضح ہو چکا ہے کہ امور مذکورہ ثابت الاصل ہیں۔ ان کے بدعت ہونے کا حکم باطل ہے پھر ان کے ترک کرنے یا کرانے کی کوشش کرنا منع ہے اور آگے جو حدیثیں اس نے لکھیں ہیں من احدث فی امرنا اور کُلُّ بدعةِ ضلالة الحدیث اور ومن رای منکم منکراً (الحدیث) ان کے معانی مفتی صاحب سمجھے یا نہ سمجھے مگر کانگریس کا اتباع اور اس کی ہر امر میں موافقت اور اپنی زندگی کو کانگریسی داغیت کے اشارہ ابرو پر نثار کر ڈالنا یہ تمام چیزیں مفتی صاحب کی نظر میں

ان احادیث میں سے کسی حدیث کا مصداق نہیں بنیں لہٰذا بدعت ثابت ہوئیں اللہ تعالیٰ حق کہنے حق بولنے اور حق ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیّدنا محمدٍ والہ واصحابہ اجمعین۔ (احمد یار خان عنہ)

مفتی احمد یار خان اور محفل سماع:

مولانا عبدالحکیم شرف قادری بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں حضرت مفتی صاحب میو ہسپتال لاہور میں زیر علاج تھے میں اور مولانا غلام رسول سعیدی مدظلہ (شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی) مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے تھے، حضرت مفتی صاحب نے دورانِ گفتگو فرمایا۔

میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں مدرس تھا میں اور مولانا مفتی امین الدین بدایونی (رحمۃ اللہ تعالیٰ) بڑے شوق سے قوالی سنا کرتے تھے، ایک دن قوال نے یہ شعر پڑھا:

کچھ پاس نہیں ہے میرے، کیا نذر کروں تیرے؟
اک ٹوٹا ہوا دل ہے اور گوشہ تنہائی

یہ شعر سننا تھا کہ مفتی امین الدین صاحب نے جو کچھ پاس تھا، قوال کو پیش کر دیا، حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی نے بلا کر باز پرس کی اور فرمایا، یا تدریس ہوگی یا قوالی؟ حضرت کے اس ارشاد پر میں نے عرض کی کہ میں تدریس چھوڑ سکتا ہوں قوالی نہیں چھوڑ سکتا، یہ سنتے ہی حضرت صدر الافاضل جلال میں آگئے اور فرمایا:

''احمد یار خاں میں تمہیں حکماً کہتا ہوں کہ قوالی سننا چھوڑ دو، چنانچہ اس کے بعد آج تک میں نے کبھی قوالی نہیں سنی''۔

اللہ اللہ، احترام استاد کی ایسی مثالیں آج کہیں ملیں گی؟۔

وفات:

حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی (قدس سرہ) کا وصال ۳ رمضان المبارک ۱۲۴ر۷اکتوبر (۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) کو ہوا، نماز جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ابوالبرکات سیّد احمد شیخ الحدیث دارالاحناف لاہور نے پڑھائی، مفتی صاحب کے جنازہ میں شرکت کے لیے لاہور سے علماء کرام کا ایک وفد جس کی قیادت علامہ شرف القادری کررہے تھے گجرات گیا، حضرت مفتی صاحب کی زیارت کی۔ چہرہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا، اس وقت یہ تصور کرنا مشکل تھا کہ ان پر موت کی کیفیت طاری ہوچکی ہے۔ اسی موقع پر سیّد ابوالکمال برق نوشاہی نے یہ قطعہ تاریخ کہا۔

حکیم امت سرکار عالم — فدائے ملت مختار عالم
خطیب اہل سنت شیخ التفسیر — وحید العصر در تحریرو تقریر
(۱۳۹۱ھ)

وفاتش از علامات قیامت — حیاتش بود در عالم کرامت
چوں یکتا بود اور اندر شریف
وفاتش برق شمع شرافت

اس طرح مولانا سیّد شریف احمد شرافت نوشاہی نے سن عیسوی کا استخراج کیا

ذاکر اسم خدا شام و پگاہ — آفتاب شرع احمد یار خاں
صوفیان اہل حق رابود، وکشا — درحدیث وفقہ کس مثلش نبود
از شرافت سال ترحیلش شنو
مخزن انوار شد مستور آہ

آپ کی یادگار میں دو صاحب زادے مولانا مفتی اقتدار احمد خاں نعیمی اور دوسرے مولانا مفتی مختار احمد خان نعیمیؒ کا شمار بھی اہلسنّت و جماعت کے ممتاز علماء میں ہوتا تھا۔

مولانا مفتی مختار احمد نعیمی مرحوم ناظم اعلیٰ مرکزی جماعت اہل سنت پاکستان کی حیثیت سے حضرت علامہ الحاج شیخ الحدیث احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ کی سرپرستی میں مسلک اہلسنّت کے لیے نمایاں خدمات انجام دیتے رہے تھے اور قائد اہلسنّت مولانا شاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ صدر جمعیت علماء پاکستان کی قیادت پر غیر متزلزل یقین و اعتماد رکھتے تھے۔

خلاصہ بحث

۱) مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمۃ صدر الافاضل (علیہ الرحمۃ) کے خاص شاگردوں اور مشاہیر اکابرین اہلسنت و جماعت میں شمار کیے جاتے تھے۔

۲) تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔

۳) تمام زندگی امام احمد رضا بریلوی (علیہ الرحمۃ) کے فلسفۂ فکر و نظر کو فروغ دینے اور تصنیف و تالیف و تقریر کے ذریعہ فروغ دینے میں مصروف رہے۔

۴) آپ مجمع العلوم و فنون تھے لیکن آپ کا خصوصی موضوع علم فقہ و حدیث و تفسیر تھا۔

۵) آپ روحانی اعتبار سے چشتی قادری رضوی بھی تھے۔

آپ کے تلامذہ میں پنجاب یونیورسٹی لاہور پاکستان کے مولانا قاضی عبدالنبی کوکب تھے، جنھوں نے فلسفہ رضا کو فروغ دینے کے لیے لاہور میں یوم رضا کے نام سے ۱۹۷۰ء میں ایک عظیم سیمینار کا انعقاد کیا تھا، جس میں ملک کے معروف

اہل علم ودانش علماء وفقہاء پیشوایان اسلام نے امام احمد رضا بریلوی (علیہ الرحمۃ) کوان کی فکری نظری، دینی، سیاسی، ملی خدمات پرخراج عقیدت پیش کیا تھا۔

نوٹ: حضرت شیخ الحدیث والتفسیر والفقہ مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمۃ ۱۹۷۰ء میں حج وزیارت سے واپسی کے موقع پر سب سے پہلے دارالعلوم امجدیہ کراچی تشریف لائے تھے تو راقم الحروف (خادم العلم والعلماء ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری) جواس وقت بزم امجدی رضوی دارالعلوم امجدیہ کراچی کا صدر تھا اوران کے اعزاز میں ظہرانہ رکھا تھا، آپ دارالعلوم امجدیہ تشریف لائے اس تقریب میں کثیر تعداد میں دارالعلوم امجدیہ کے اساتذہ کرام اور طلباء کے علاوہ شہر کراچی کے علماء کرام نے شرکت کی تھی اوراس تقریب کے حوالے سے مفتی صاحب (علیہ الرحمہ) کوقریب سے دیکھنے کا اوران کے کلمات طیبات سننے کا بھرپور موقع ملا (نوری غفرلہ)

مراجع

۱) اکابراہلسنت رمصنفہ علامہ شرف القادری لاہور

۲) سیرت سالک رمولفہ قاضی محمد عبدالنبی کوکب مطبوعہ لاہور۔

۳) مقدمہ مراۃ المناجیع فی ترجمہ، المشکوۃ المصابیح مطبوعہ لاہور۔

۴) مقدمہ جاء الحق ج ا، مطبوعہ گجرات

حضرت مولانا شاہ محمد اجمل سنبھلی علیہ الرحمۃ (۱)

(المتوفی ۱۳۸۳ھ مطابق ۸ر ستمبر ۱۹۹۳ء)

ولادت:

۱۵ر محرم ۱۳۲۲ھ سنبھل مرادآباد یوپی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد اور بڑے بھائی سے پائی، شرح جامی تک اپنے چچیرے بھائی مولانا شاہ محمد عماد الدین سنبھلی سے پڑھی۔ معقول و منقول کی تحصیل و تکمیل حضرت صدر الافاضل مولانا حکیم محمد نعیم الدین مرادآبادی رقدس سرہ سے حاصل کر کے ۱۳۳۹ھ میں سند فراغ حاصل کی۔ آپ حضرت فاضل مرادآبادی (علیہ الرحمۃ) کے معیت میں بریلی میں حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا (قدس سرہ) سے بیعت کی ۱۳۴۴ھ میں "مدرسہ اسلامیہ حنیفہ" قائم کیا اور درس دینا شروع کیا۔ ساری عمر افادہ درس واعظ و ارشاد میں بسر فرمائی، نہایت پختہ مشق مدرس تھے۔ حضرت مولانا شاہ حامد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور اعلیٰ حضرت قطب العالم مخدوم علی حسین اشرفی کچھوچھوی قدس سرہما سے اجازت و خلافت پائی تھی۔ کئی سال مسلسل علیل رہے بالآخر ۱۳۸۳ھ مطابق ۸ر ستمبر ۱۹۹۳ء کو رحلت فرما گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) آپ کا مزار سنبھل مرادآباد میں ہے۔

تحریک پاکستان:

آپ نے اپنے استاد حضرت صدر الافاضل کی معیشت معیشت میں تحریک

---

(۱) تذکرہ علماء اہلسنت، محمود احمد قادری

پاکستان کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس میں آپ نے سنبھل مرادآباد کے مسلمانوں کی نمائندگی کی تھی اور سیاسی امور کے کمیٹی میں آپ کو بھی شامل کیا گیا تھا۔

تصانیف:

آپ نے مولوی حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی معروف کتاب ''شہاب ثاقب'' کے ردّ میں ''شہاب ثاقب'' [1] لکھی اور لکھنے کا خوب حق ادا کیا۔ آپ کی اور دوسری کتاب ''فیصلہ حق باطل'' [2] ہے۔ آپ کی یہ دونوں علمی تحقیقی کتابیں معروف ہیں۔

---

(۱) معارف رضا کراچی کے مطابق یہ کتاب دوسری مرتب ادارہ تعلیمات سے امام ربان مجد الف ثانی کورنگی اور کراچی کے تحت یکم صفر ۱۴۲۵ھ کو شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے کئی عنوانات بالخصوص علم غیب، علم ماکان و مالکون، علم شفاعت، توسل، نداء استعانت، میلاد قیام، عرس، سوم، گیارہویں شریف پر تحقیقانہ انداز میں بحث کی گئی ہے یہ ردّ عقائد باطلہ میں منفرد کتاب ہے۔ (نوری غفرلہ)

حضرت مولانا ابوالخیر نور اللہ نعیمی بصیر پوری علیہ الرحمۃ

حضرت مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی (علیہ الرحمۃ) نسبا ارائیں، مسلکا حنفی اور مشربا قادری تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد صوفی مشرب پاکیزہ سیرت اور صاحب دل بزرگ تھے۔

ولادت:

آپ کی ولادت باسعادت ۱۶ر رجب المرجب ۱۳۳۲ھ/ ۱۰ر جون ۱۹۱۴ء کو موضع ''سوجیکی ضلع اوکاڑہ'' میں ہوئی۔

تعلیم:

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا ابوالنور محمد صدیق چشتی رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء) جد امجد حضرت مولانا احمد الدین (۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء) سے حاصل کرنے کے بعد سلف صالحین کی سنت کے مطابق طلب علم کے لیے سفر شروع کیا اور متحدہ ہندوستان کے دور دراز مقامات پر جا کر متعدد علماء کرام سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کی، اس سلسلے میں استاذ العلماء حضرت مولانا فتح محمد جیسوی محدث بہاولنگری (م۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء) کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کے بعد حزب الاحناف لاہور تشریف لے گئے۔ جہاں شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ ''الواری'' علیہ الرحمہ (م ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء) خلیفہ امام احمد رضا خان بریلوی اور مفتی اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری الوری (م ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء) خلیفہ امام احمد رضا خان بریلوی سے دورہ حدیث پڑھا۔ حضرت محدث ''الوری'' دورہ حدیث پڑھنے والوں

کو اکثر فرمایا کرتے کہ:

''اس بار تم مولانا محمد نور اللہ کے طفیل پڑھ رہے ہو''۔

دورہ حدیث مکمل کرنے کے بعد ۲۳ر نومبر ۱۹۳۳ء شعبان ۱۳۵۲ھ کو سند فراغت و دستار فضیلت عطا کی گئی اس موقع پر امام اہل سنت محدث ''الوری'' علیہ الرحمۃ نے آپ کو مطبوعہ سند کے علاوہ خصوصی اسناد سے بھی نوازا اور کنیت ''ابوالخیر'' عطا کی۔ بعد میں حضرت مولانا ابوالبرکات نے آپ کو فقیہ اعظم کے لقب سے ممتاز فرمایا۔ غازی کشمیر مولانا ابوالحسنات سید محمد قادری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) نے بھی اپنے گرامی نامہ میں حضرت کے نام کے ساتھ فقیہ اعظم کا لقب تحریر فرمایا۔

جامع العلوم:

حضرت فقیہ اعظم نور اللہ مرقدہ نے اپنی فطری ذکاوت و ذہانت سے زمانہ طالب علمی ہی میں علوم درسیہ کے متعدد علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کر لی تھی۔ ایسے تمام تمام علوم کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے۔

درس و تدریس:

تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنے استاد گرامی حضرت مولانا فتح محمد صاحب محدث بہاولنگری کے مدرسہ مفتاح العلوم میں کچھ عرصہ صدر مدرس کے منصب پر فائز رہے۔ ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں تحصیل دیپال پور کے ایک قصبے فرید پور میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے نام سے مدرسہ کی داغ بیل ڈالی۔ جملہ علوم وفنون درس نظامیہ کی تدریس کے کام خود انجام دیئے۔ اسی مقام پر ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں بخاری شریف سے دورہ حدیث کا آغاز فرمایا۔

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ دورہ حدیث کی اس پہلی جماعت میں

دیگر تلامذہ کے علاوہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد صدیق (علیہ الرحمۃ) بھی شریک درس تھے۔ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد ایک عظیم الشان علمی ادارے کی متقاضی تھی۔ جس کے لیے یہ جاگیردارانہ ماحول مناسب نہ تھا۔ اس لیے آپ نے ۱۹۴۵ء/ ۱۳۶۴ھ کو بصیر پور میں ڈیرہ جما لیا۔ یہ پسماندہ علاقوں خصوصاً خطۂ زمین جس پر اب دارالعلوم موجود ہے، قزاقوں کا مسکن تھا۔ اس وادی غیر ذی زرع کو اس عاشق مصطفیٰ نے اپنی شبانہ روز محنت، پیہم لگن اور جہد مسلسل سے عظیم یونیورسٹی بنا دیا۔

آپ نے مسلسل پچاس سال قرآن، حدیث اور دیگر علوم وفنون کا درس دیا۔ جب سنت یوسفی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جیل جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں بھی حدیث شریف پڑھتے رہے۔ اسباق سے محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۸۲ء میں آپ نے آپریشن کرایا، زخم ابھی مندمل نہیں ہونے پائے تھے، نقاہت حد سے زیادہ تھی مگر آپ نے اس عالم میں بھی سلسلہ تدریس منقطع نہ ہونے دیا۔ یکم اپریل ۸۳ء کو شدید علیل ہوئے۔ اس سے قبل یعنی ۳۱ / مارچ کو بھی آپ نے باقاعدگی سے طحاوی شریف کا سبق پڑھایا۔ عمر بھر اپنے مرشد کامل کے بتائے ہوئے محبوب وظیفے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ سے فیض یافتہ ملک کے گوشے گوشے میں درس و تدریس، تصنیف وتالیف اور افتاء وتبلیغ کے ذریعے رشد وہدایت میں مصروف ہیں۔

بیعت وخلافت:

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے مرشد کامل کی جستجو کی اور ۱۹۴۰ء میں مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور کے سالانہ اجلاس میں شامل ہوئے تو حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) سے

ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ بس پھر کیا تھا آنکھ نے جو کچھ دیکھا دل نے اس کی تصدیق کی۔

ایک ہی بار ہوئی وجہ گرفتاریٔ دل
التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

حضرت مفتی اعظم سید ابوالبرکات (علیہ الرحمۃ) کے مشورے سے حضرت صدر الافاضل (علیہ الرحمۃ) کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت سے مشرف ہوئے رہبر کامل نے خود ہی ارشاد فرمایا:

''مولانا آپ کا وظیفہ درس و تدریس ہے''۔

چنانچہ حضرت فقیہ اعظم نے عمر بھر اس وظیفہ کو حرز جاں بنائے رکھا۔

فقیہ اعظم رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ کی تعطیلات میں مراد آباد حاضر ہوئے تو حضرت صدر الافاضل (علیہ الرحمۃ) نے آپ کو سلوک و معرفت کی منال طے کرائیں۔ اپنے سلاسل حدیث کی اسناد اور مختلف اشغال و اعمال اور وارد و ظائف کی اجازت سے نوازا۔ قلب منور کو مزید مجلی کیا اور سلسلہ قادریہ مکیہ کے علاوہ دیگر سلاسل میں بھی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔ اس تحریری اجازت نامے پر حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ/ ۲۸ر ستمبر ۱۹۴۲ء بروز پیر کی تاریخ درج فرمائی۔

صدر الافاضل (علیہ الرحمۃ) کے علاوہ حضرت کو اپنے استاد گرامی مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب ''الوری'' کی طرف سے بھی اسناد حدیث اور دیگر اعمال و ظائف اور سلاسل طریقت کی اجازت حاصل تھی۔ جب کہ محدث ''الوری'' کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز سے اجازت حاصل تھی۔

حضرت کو اپنے دیگر اساتذہ حضرت مولانا ابوالبرکات قادری اور محدث بہاولنگری کی طرف سے بھی بہت عملیات اور مختلف سلاسل طریقت کی اجازت حاصل تھی۔

تفقہ فی الدین:

حضرت فقیہ اعظم فتویٰ نویسی میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے آپ کی ذات مرجع خلائق تھی ملک اور بیرون ملک کے لوگ استفتاءات میں آپ کی طرف رکوع کرتے۔ فقہ میں آپ کو تخصص کا درجہ حاصل تھا۔ ایک فقیہ اور مفتی کے لیے جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے، وہ تمام تر آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی (سابق چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان) نے فتاویٰ نوریہ کی تقریب تعارف منعقدہ ۴ر جون ۱۹۸۰ء بمقام پاکستان نیشنل سینٹر لاہور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''مفتی کے لیے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:

(۱) علمی وسعت (۲) ایمانی فراست (۳) دیانت (۴) تزکیہ نفس یعنی طہارت ظاہر و باطن یہ چار چیزیں اگر مفتی میں ہیں تو وہ صحیح معنوں میں رہنمائی کرسکتا ہے۔ حضرت فقیہ اعظم میں یہ چاروں تمام اوصاف بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

فتاویٰ نوریہ کی چھ ضخیم جلدوں کے مطالعہ سے آپ کے تبحر علمی، وسعت نظر، قوت استدلال، صلابت رائے اور فقہی بصیرت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اکثر و بیشتر فتوے اعلیٰ ترین تحقیقی مقالات کے معیار پر پورے اترتے ہیں، جن میں بیسویں مآخذ سے رجوع کیا گیا ہے ایک استفتاء کے جواب میں آپ نے خود تحریر فرمایا:

''بفضلہ تعالیٰ مجھے التزام ہے کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے تو متعدد معتمدات مذہب ضرور دیکھ لیا کرتا ہوں''۔

ایک عالم اور فقیہ پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ بلا تحقیق جواب نہ دے اور اگر کسی مسئلہ میں تحقیق نہ ہو تو اس کی وضاحت کرنے اور اصل صورت حال کے برملا اظہار میں اپنی توہین محسوس نہ کرے جیسا کہ امام دارالھجرۃ حضرت مالک بن انس سے ایک بار چالیس سوال دریافت کیے گئے مگر آپ باوصف اپنی جلالت علمی کے صرف چار کا جواب دے سکے اور چھتیس سوالات کے بارے میں فرمایا ''لاادری'' ان کا جواب میری سمجھ میں نہیں آتا'' حضرت فقیہہ اعظم کی ذات میں بھی یہی شان عجز و انکساری نظر آتی ہے۔ آپ اس وقت تک فتویٰ نہ دیتے جب تک کامل تحقیق نہ ہو جاتی۔

ایک فقیہ اور مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے دل میں صاحب شریعت کی پختہ محبت ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق سے اس کا قلب بھرپور ہو، وہ ایمانیات اور اعتقادیات میں متصلب ہو۔ صاحب فتاویٰ نوریہ کی ذات میں یہ اوصاف درخشاں نظر آتے ہیں۔ عشق نبوی نے آپ کو پختگی ایمان اور اتباع سنت و شریعت کی معراج پر پہنچا دیا تھا۔ سرکار کی شان میں ادنی سی گستاخی کرنے والا بھی آپ کے نزدیک واجب القتل تھا۔ فرماتے ہیں:

''شہنشاہ کون و مکان حبیب رب رحمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں نازیبا الفاظ اور گالی بکنے والا انسان تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہے اور کافر بھی ایسا سخت کہ جو اس کے کفر اور عذات میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ حاکم اسلام اسے قتل کر دے۔ یہ سزا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ ایسے بدخواہان ملک و ملت کو شرعی سزائیں لگائے اور پاکستان کے پاک وجود کو ایسے گندے اور ناپسند عناصر سے پاک فرمائے''۔

ادائیگی حج:

آپ نے کتنے حج کیے؟ یہ تعداد خودان کو بھی یاد نہ تھی۔ ایک بار کسی سائل کے استفسار پر فرمایا:

''گنتی یاد نہیں رکھی، اصل مقصود حاضری ہے جو ان کی نگاہ کرم سے ہو جاتی ہے''۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کو بیس مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوئی۔

سیاسی بصیرت:

حضرت فقیہ اعظم (نوراللہ مرقدہ) کو جوادِ مطلق نے سیاست میں بھی بڑی فراست سے بہرہ ور فرمایا تھا، اگرچہ عملاً سیاست سے کنارہ کش رہے تاہم جب کبھی دین کی سربلندی کے لیے قربانیوں کا موقع آیا تو قوم نے آپ کو مجاہدین کی صف اول میں پایا۔ چنانچہ آپ نے تحریک پاکستان میں اپنے مرشد گرامی حضرت صدرالافاضل (قدس سرہ) اور دیگر اکابر علماء و مشائخ اہل سنت کے ساتھ مل کر اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی خاطر نمایاں کردار ادا کیا۔

۱۹۴۶ء میں جب کانگریس اور مسلم لیگ کا انتخابی معرکہ ہوا تو آپ نے اپنا بھرپور اثر ورسوخ استعمال کیا۔ نتیجتاً اس حلقہ انتخاب میں مسلم لیگی امیدوار کو کامیابی ہوئی۔ جہادِ کشمیر میں غازی کشمیر حضرت علامہ ابوالحسنات قادری (علیہ الرحمۃ) (م ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۱ء) کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے پرزور حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں آپ کو ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی مگر تین ماہ بعد

رہا کر دیئے گئے۔ ۱۹۷۴ء میں سانحہ ربوہ کے باعث جب دوبارہ تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا تو آپ نے تحفظ ناموس رسالت کا نعرہ بلند کیا اور اس تحریک میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔

۱۹۴۸ء میں ملتان میں جمعیت علماء پاکستان کی تشکیل ہوئی۔ اس اجلاس میں آپ شریک ہوئے۔ آپ جمعیت کے اساسی اراکین میں سے تھے اور جمعیت کی مجلس عاملہ وشوریٰ کے رکن بھی رہے تھے۔ ۱۹۷۷ء میں خواص وعوام کے پرزور اصرار پر جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے قومی اتحاد کے ٹکٹ پر نظام مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ کی خاطر باقاعدہ الیکشن میں حصہ لیا۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ حکمران پارٹی یعنی پی پی کی مخالفت کرنا جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا، لیکن اس مرد مجاہد نے نعرہ قلندر یہ بلند کیا۔ مخالفت کی آندھیاں اٹھیں، بدتمیزی کے جھکڑ چلے، دھمکیوں کے طوفان اُڈ آئے، مگر جرات واستقلال کے اس کوہ گراں کے پائے ثبات میں ذرا بھر بھی لغزش نہ آئی۔ آپ کے الیکشن میں حصہ لینے اور کلمہ حق کہنے کی پاداش میں حکومت وقت نے کئی انتقامی منصوبے بنائے، مگر آپ نے تمام سازشوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ہر مقام پر ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا۔

ملک کے دیر مقامات کی طرح اس حلقہ انتخاب میں بھی وسیع پیمانے پر دھاندلیاں ہوئیں۔ دھاندلیوں کے خلاف ابھرنے والی تحریک کے نتیجہ میں جبر و استبداد اور آمریت کا بت پاش پاش ہوگیا۔ نظام مصطفیٰ کی اس تحریک میں آپ کا مثالی کردار ہمیشہ دعوت فکر عمل دیتا رہے گا۔ ۲۳ر مارچ ۱۹۷۷ء کو ایک بہت بڑے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتاری دی۔ ساہیوال سینٹرل جیل میں بھی اپنے مشن کو جاری رکھا اور درس قرآن کریم کے علاوہ قیدی طلباء وعلماء کو بخاری شریف کا درس

بھی باقاعدہ سے دیتے رہے۔

۱۹۷۸ء میں آپ کو جماعت اہلسنت کا سینئر مرکزی نائب صدر مقرر کیا گیا۔

آخر عمر تک آپ اس عہدے پر فائز رہے۔ آپ کو حضرت قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ کی قیادت پر مکمل اعتماد یقین تھا۔

آپ نے عمر بھر شریعت مطہرہ پر پابندی کا درس دیا۔ اس کی جھلک جابجا آپ کی تحریروں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اپنے ایک فرزند نسبتی مولانا حافظ فیض الرحمٰن کوثر کے نام ایک مکتوب میں یہ نصیحت فرمائی:

''اپنے اوقات عزیزہ پڑھنے اور پڑھانے میں پورے کریں اور استقامت علی الشریعۃ کا خاص خیال رہے کہ اصل وہی ہے اور اسی میں مدارج عالیہ مضمر ہیں۔

اسی طرح حضرت مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری، مولانا ابوالفیاء، محمد باقر نوری اور مولانا ابوالحقائق محمد رمضان نوری (رحمۃ اللہ) کے نام تحریر فرمایا:

''شریعت عزاء پر عمل پوری کوشش سے کرتے رہیں۔ ہر قسم کی خیانت سے پوری طرح پرہیز رہے، خلوص واخلاص واتفاق سے بسر کریں۔ یہ دنیا لعب ولھو ہی تو ہے۔

وصال:

حضرت فقیہ اعظم (رحمتہ اللہ) نے یکم رجب ۱۴۰۳ھ/ ۱۵راپریل ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارکہ دوپہر ایک بجے وصال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کے وصال کی خبر قیامت اثر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو پاکستان نے دومرتبہ یہ خبر نشر کی۔ ہر طرف صف ماتم بچھ گئی۔ ملک بھر سے لوگ بصیر پور پہنچنا شروع ہو گئے۔ ۱۶راپریل کو غسل دینے کے بعد حضرت

کو دن کے گیارہ بجے دار العلوم کے صحن میں رکھ دیا گیا۔ تین بجے مشتاقانِ دید، دیدار سے مشرف ہوتے رہے۔ آپ کا چہرہ انور پھول کی طرح کھلا ہوا تھا اور اس پر نورانیت اور مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ روزنامہ مشرق لاہور نے اپنی رپورٹ میں یوں تحریر کیا۔

''مولانا مرحوم کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ دیکھ کر لوگوں کا ایمان تازہ ہو رہا تھا''۔

نشان مرد مومن با تو گویم

چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی (علیہ الرحمۃ) نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کے جنازہ کا اجتماع تاریخی تھا۔ روزنامہ جنگ ۱۸/اپریل ۱۹۸۳ء نے جنازہ کا اجتماع ڈیڑھ لاکھ بتایا۔ تاہم ایک محتاط اندازے کے مطابق جنازہ کا اجتماع دو لاکھ سے بھی متجاوز تھا۔ ملک بھر سے نامور علماء و مشائخ کا جم غفیر تھا۔ مولانا تابش قصوری صاحب رقم طراز ہیں۔

''کم و بیش چالیس ہزار علماء و مشائخ'' اصفیاء و حفاظ کرام شریک جنازہ تھے، ان خواص کے علاوہ عوام کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں''۔

نماز جنازہ سے قبل غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمیؒ نے اپنے پردرد خطاب میں فرمایا۔

''امام الفقہاء سیدی فقیہ اعظم کے وصال سے پورا ملک یتیم ہو گیا، ہم یتیم ہو گئے، علم و تقوی دفن ہو رہے ہیں''۔

دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے مشرقی حصہ میں اس بحر بیکراں کو والد ماجد کے پہلو میں لٹا دیا گیا۔ اس موقع پر پیر طریقت حضرت خواجہ غلام فخر الدین سیالوی (برادر گرامی شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) سیال شریف

نے فارسی نظم تحریر فرمائی۔

آں ابو الخیر زبدۂ اخیار
بود اندر علوم کوہ وقار
تاجدار ولایت عرفاں
در دیار علوم دیں سردار
سنہ گنجینہ اش ز حب نبی
دلش از ذوق و شوق دیں سرشار
رحلتش غرہ زماہ رجب
سال ہفتاد و دو عمر شار
فخر آں بود چونکہ نور اللہ
مرق اوست مظہر انوار
(۱۴۰۳ھ)

حضرت فقیہ اعظم نے پانچ صاحب زادے، صاحب زادیاں بطور یادگار چھوڑے۔ صاحب زادگان میں سب سے چھوٹے حضرت علامہ محمد محب اللہ نوری مدظلہ آج کل آپ کے جانشین کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

تصانیف:

آپ نے تدریسی وانتظامی مصروفیات کے باوجود کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں معروف مندرجہ ذیل ہیں:

۱) فتاوی نوریہ (چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔)
۲) قضائے سنت فجر

۳) نورالقوانین ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۳ء مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء

۴) عقودالعاجد لعمار المساجد ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء

۵) مسئلہ سایہ ۱۳۶۶ھ/۱۹۷۴ء مطبوعہ لاہور۔

۶) نعمائے بخشش المعروف دیوان نور/ مطبوعہ مقبول احمد پریس لاہور ۱۳۷۴ھ

۷) حرمۃ المصاہرۃ ترفع المناکحہ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء

۸) مکبر الصوت ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء مطبوعہ اردو پریس لاہور ۱۹۵۶ء

۹) ضمیمہ مکبرات الصوت ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء مطبوعہ لاہور آرٹ پریس لاہور۔

(یہ سب معلومات مقدمہ فتاوٰی نوریہ جلد اول ص ۶۷ تا ۱۰۱ سے ماخوذ ہیں)

حضرت مولانا شاہ سید محمد مختار اشرف الجیلانی کچھوچھویؒ (۱)

ولادت:

محمد مختار، تاریخی نام۔۱۳۳۲ھ سال ولادت، عالم ربانی حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف (ابن حضرت قطب المشائخ مخدوم شاہ علی حسین اشرفی) کے فرزند ارجمند۔

تعلیم:

حضرت مولانا عماد الدین سنبھلی سے میزان تا شرح وقایہ اپنے گھر پر تعلیم حاصل کی اور حضرت مولانا مفتی عبدالرشید فتح پوری سے فنون کا درس لیا، بعدہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی خدمت میں مراد آباد تشریف لے گئے اور دورہ حدیث کیا اور جد امجد سے مرید ہو کر سلوک کے مراحل طے کیے، انھوں نے ۲۵؍ جمادی الاولی ۱۳۴۷ھ میں آپ کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر فرمایا، آپ اکابر و مشائخ اشرفیہ کی یادگار اور صاحب کشف و کرامات و مقامات بزرگ تھے۔

سیاسی خدمات:

سیاسی اعتبار سے آپ اپنے استاد حضرت صدر الافاضل مولانا سید

---

(۱) راقم الحروف (نوری) کئی دفعہ آپ کی دست بوسی کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔ دار العلوم امجدیہ کراچی ہی کی ایک تقریب طلباء میں ۱۹۸۲ء میں قدم بوسی سے مشرف ہوا۔ (نوری)

نعیم الدین مرادآبادی کی اور اپنے خاندان کے دیگر بزرگوں کے ہمراہ تحریک پاکستان میں پیش پیش رہے۔ سلسلہ اشرفیہ کے وابستہ افراد جو یوپی، بہار، بنگال آسام وغیرہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ آپ کی خصوصی ہدایت پر حصہ لیتے اور تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے میں پیش پیش رہے۔ نیز بلاد عرب وعجم میں بکثرت افراد آپ کے سلسلہ فیض سے وابستہ ہوئے، آپ ہی کے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ سید اظہار اشرف مدظلہ آج کل صاحب سجادہ کچھ چھہ شریف ہیں اور دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور سے فارغ التحصیل ہیں۔[1]

---

(۱) ماہنامہ الاشرف کراچی ۲۰۰۶

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن، تلسی پوری، گونڈوی[1]

ولادت:

آپ ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت مولانا مشتاق احمد کان پوری سے مدرسہ شمس العلوم بدایوں اور دارالعلوم کانپور میں تعلیم پائی۔

آپ نے حضرت صدرالافاضل، مولانا حکیم سید نعیم الدین مرادآبادیؒ سے جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں دورۂ حدیث اور بعد میں بیعت سے مشرف ہوئے۔ فراغت کے بعد آپ تلسی پور گونڈا میں مدرسہ انوارالعلوم عتیقیہ قائم کیا۔ گونڈہ بستی اور بہرائچ میں علم دین کا اجالا آپ ہی کی ذات سے پھیلا۔

آپ نے غیر مقلدین کے ساتھ مختلف مقامات پر مناظرے کیے اور ان کے ردّ میں متعدد رسالے بھی تالیف کیے۔ آپ کا ادارہ ہندوستان کے سنی اداروں میں ایک ممتاز سنی درس گاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

---

(۱) تذکرہ علماء اہلسنت، مولفہ مولانا محمود احمد قادری۔

حضرت مولانا حبیب اللہ بھاگلپوری

ولادت:

آپ ضلع بھاگل پور صوبہ بہار میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے اساتذہ حضرت مولانا عمر نعیمی اور حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین المحدث مراد آبادی سے کسب علوم کے بعد دورۂ حدیث مکمل کیا اور فخر العارفین حضرت مولانا الحاج سید شاہ محمد مختار اشرف سجادہ نشین کچھوچھہ شریف سے مرید ہوئے۔

تدریس کی ابتداء جامعہ نعیمیہ سے کی، کئی سال تک اس ادارہ کے صدر مدرس مفتی اور روح رواں رہے، ابلاغ نظر، تبحر علم میں اپنے معاصرین میں آپ نے ایک خاص مقام پایا تھا۔[1]

---

(۱) تذکرہ علماء اہلسنت، مولفہ مولانا محمود احمد قادری

حضرت مولانا وصی احمد سہسرامیؒ [1]

ولادت:

سہسرام ضلع آرہ صوبہ بہار میں پیدا ہوئے بعدہ دار العلوم کانپور میں حضرت مولانا مشتاق احمد سے پڑھنے کے بعد درس نظامی کے تمام فنون میں کمال حضرت صدر الافاضل سے جامعہ نعیمیہ میں حاصل کیا اور آپ کی تدریس کی ابتداء بھی جامعہ نعیمیہ مراد آباد سے ہی ہوئی، ۔بارہ برس صدر مدرس رہنے کے بعد آپ دار العلوم نعمانیہ دہلی میں صدر مدرس ہوئے، اس کے بعد دوبارہ جامعہ نعیمیہ کے اراکین کے اصرار پر عمر کے آخری دنوں میں اپنے وطن بہار تشریف لے گئے۔

اور وطن میں ہی انتقال ہوا، حضرت مولانا محمد حبیب اللہ شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مراد آباد، حضرت مولانا محمد یونس بہاری سنبھلی مہتمم جامعہ مراد آباد اور مولانا محمد عمر نعیمی وغیرہم مشہور علماء فقہاء بھی آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔

(۱) تذکرہ علماء اہلسنت، مولفہ مولانا محمود احمد قادری

حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی ؒ

شیخ المشائخ حضرت شاہ اشرف حسین (برادر حضرت شیخ العالم شاہ علی حسین اشرفی میاں) کچھوچھویؒ کے فرزند ارجمند، آپ نے ابتدائی تعلیم اساتذہ دار العلوم اشرفیہ کچھوچھو شریف سے پڑھی اور حدیث کا دور "جامعہ نعیمیہ" مرادآباد میں حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین قدس سرہ سے کیا، بیعت وخلافت اپنے والد ماجد سے حاصل کئے۔

آپ ایک جادو بیان اور شعلہ نوا مقرر تھے اور برصغیر میں اہل سنت کے اسٹیج کو آپ سے رونق تھی۔ آپ مرادآباد سے کئی بار "ہند پارلیمنٹ" کے ممبر منتخب ہوئے اور کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ اور آل انڈیا تبلیغ سیرت کے ناظم رہے، کئی مناظروں میں حضرت علامہ مشتاق احمد نظامیؒ کے ساتھ رہے۔ آپ ایک منجھے ہوئے اہل سنت وجماعت کے مناظر تھے۔ اہل سنت کا کوئی اسٹیج آپ کے بغیر خالی نہیں رہتا تھا۔ آپ خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھ کے چشم وچراغ تھے۔[1]

---

(۱) تذکرہ علماء اہلسنت، مولفہ مولانا محمود احمد قادری

حضرت مولانا عبدالعزیز خاں فتح پوریؒ

ولادت:

فتح پور (ہسوہ) میں آپ کی ولادت ہوئی، سنسکرت اور حساب کی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین فاضل مرادآباد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درس نظامی کی تحصیل و تکمیل کی، مولانا اجمل شاہ سنبھلی قدس سرہ آپ کے ہم درس ساتھیوں میں سے تھے، تدریس کی ابتداء آپ نے دارالعلوم نعیمیہ سے کی۔[1]

تبلیغی خدمات:

آگرہ کے مشہور فتنہ ارتداد کے انسداد کیلئے آپ نے حضرت صدرالافاضل کی معیت میں تبلیغ اسلام کا بیش بہا فریضہ انجام دیا، اور پنڈت شردھانند کی ارتداد کی مہم کو روکا، بابا خلیل داس چترویدی بناری، جن دنوں مراد آباد میں حضرت صدرالافاضل کی زیر تربیت تھے۔ حضرت کے ایماء ہی سے چاروں اویدوں کا آپ کی نگرانی میں تحقیقی مطالعہ شروع کیا، استاذ کے پیرو مرشد قطب المشائخ مخدوم سید شاہ علی حسین اشرفی میاں[2] قدس سرہ کے مرید ہوئے اور اجازت خلافت پائی۔

دارالعلوم سکینہ دھوراجی میں صدر مدرس ہوئے، کافی عرصہ تک جامعہ عربیہ

---

(۱) تذکرہ علماء اہلسنت، مولفہ مولانا محمود احمد قادری

ناگ پور میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، احمد آباد کے دارالعلوم شاہ عالم میں مدرس دوم کے منصب پر جامعہ حبیبیہ الہ آباد میں چند برس درس دینے کے بعد اپنے وطن فتح پور تشریف لے گئے آپ کا شمار جامعہ نعیمیہ اور مدرسہ منظر اسلام کے مشاہیر علماء میں ہوتا ہے۔ حضرت صدرالافاضل آپ کے علم وفضل پر فخر فرماتے تھے۔[1]

---

(۱) سیدی حضرت حافظ ملت جلالۃ العلم مولانا شاہ محمد عبدالعزیز مبارکپوری سے آپ کے بڑے اچھے تعلقات تھے بلکہ مدرسہ اشرفیہ مبارکپور سے جب آپ کسی وجہ سے ناراض ہوکر جامعہ عربیہ ناگپور پہنچے تھے اور آپ کے ساتھ ہی اشرفیہ کے بہت سے طلباء بھی آپ کے ساتھ آگئے تھے جن کی دستار بندی اسی مدرسہ سے ہوئی۔ حضرت علامہ ارشد القادری، علامہ مفتی ظفر علی نعمانی اور حضرت مولانا قاری محمد مصلح الدین الصدیق علیہم الرحمۃ کی دستار فضیلت اسی مدرسہ سے باندھی گئی۔ (نوری)

حضرت مولانا شاہ عبدالرشید خاں فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ[1]

حضرت مولانا محمد عبدالعزیز خاں کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالرشید خان نے حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم سید الدین فاضل مراد آبادی اور اساتذہ جامعہ نعیمہ سے علوم وفنون کی تکمیل کی اور قطب المشائخ حضرت شاہ حسین[2] اشرفی میاں سرکار کچھوچھہ سے مرید ہوکر تکمیل سلوک کیا اور اجازت وخلافت پائی، چھبیس ۲۶ برس قبل سی پی ناگپور میں نشر علوم دین کے لئے جامعہ عربیہ قائم کیا اور انتہائی جاں فشانی سے مدرسہ کو ترقی کے اعلیٰ منازل تک پہنچایا آپ کا حضرت صدرالافاضل کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتا ہے آپ سے جامعہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف میں مولانا شاہ سید محمد مختار اشرف سجادہ نشین (علیہ الرحمتہ) نے یہیں آپ سے خصوصی درس لیا تھا۔ آپ اپنے استاد حضرت صدرالافاضل کے ساتھ تحریک پاکستان میں شامل رہے تھے لیکن پاکستان نہیں آسکے۔

---

(۱) تذکرہ علماء اہلسنت اور رسائل اعلیٰ حضرت

(۲) آپ کا ذکر خیر اوپر گزر چکا ہے۔

مولانا غلام قادر اشرفی رحمۃ اللہ علیہ لالہ موسیٰ ضلع گجرات

ولادت:

مولانا غلام قادری اشرفی (محرم الحرام ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۹۰۶ء) میں فرید کوٹ (بھارت) میں پیدا ہوئے) والد ماجد کا اسم گرامی میاں باغ علی چشتی تھا، ۱۹۱۱ء میں اسکول میں داخل ہوئے اور ۱۹۲۲ء میں امتیازی حیثیت سے میٹرک کرنے کے بعد کالج میں داخلہ لیا مگر طبیعت مائل نہ ہوئی تو کالج کو خیر باد کہہ کر مذہبی تعلیم حاصل کرنا شروع کردی اور درج ذیل اساتذہ سے اکتسابِ علم کیا۔

۱) حضرت مولانا محمد سعید صاحب شبلی رفرید کوٹی۔

۲) حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ صاحب امام وخطیب جامع مسجد فتح پوری دہلی (والد گرامی جناب پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ)

۳) حضرت مولانا محمد یسین صاحب رچڑیا کوٹی۔

۴) حضرت مولانا سید غلام قطب الدین صاحب برہمچاری اشرفی بدایونیؒ۔

۵) حضرت بابا خلیل داس صاحب ایم اے (سنسکرت) چتر ویدی۔

۶) حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب فتح پوری۔

۷) حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی۔ سے جامعہ نعیمیہ مراد آباد (یوپی) سے سند حاصل کی اور اسی دوران مدرسہ حلقہ اشاعت الحق گشتی مراد آباد کا تبلیغی کورس بھی مکمل کرلیا جس میں ہندی، بھاشا اور سنسکرت کی تعلیم حاصل کی اس کے علاوہ گورمکھی اور گیانی پر بھی عبور حاصل کیا۔

حضرت شیخ المشائخ سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے اجازت وخلافت حاصل کی علاوہ ازیں حضرت میاں شاہ محبوب قادری فیروز پوری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شیخ الدین احمد قادری رضوی (علیہ الرحمتہ) (خلیفہ اعلحضرت بریلوی) (مدینہ منورہ) سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی۔

سیاسی خدمات:

دورانِ طالب علمی ۱۹۲۵ء میں مرادآباد کی سنی کانفرنس میں ایک رضا کار کی حیثیت سے حصہ لیا تھا۔ یہ کانفرنس مارچ ۱۹۲۵ء میں ہوئی تھی اس وقت ہندو اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کر رہے تھے کہیں فتنہ ارتداد برپا تھا، کہیں قتل وغارت کا بازار گرم تھا ان فتنوں کے سدباب کے لئے یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس میں مشاہیر مشائخ اور علماء کرام بالخصوص حضرت شیخ المشائخ اشرفی میاں کچھوچھوی، حضرت مولانا سید محمد الجیلانی المحدث اعظم ہند، حضرت مولانا پیر جماعت علی شاہ علی پور سیدان، حضرت حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی وغیرھم نے شرکت کی تھی آپ نے رضا کاروں کی ٹیم کے ساتھ کانفرنس کے انتظام وانصرام میں بہت دلچسپی اور شوق کا مظاہرہ کیا۔

تحصیل علم کے بعد ۲۸۔۱۹۲۶ء (تین سال) تک ضلع فیروز مشرقی پنجاب میں تدریس وخطاب کے فرائض سرانجام دیئے اور ساتھ ہی نواب شاہنواز ممدوٹ کی ہدایت پر سیاسی تحریکوں میں بھی حصہ لیتے رہے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں لالہ موسیٰ سے ضلع گجرات کے اسلامیہ ہائی اسکول میں مدرس مقرر ہو گئے اور پھر مستقل طور پر یہیں

رہائش اختیار کر لی اور اب تک مذہب وملت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

شدھی تحریک میں بھی آپ نے اپنے استاذ حضرت مولانا برہمچاری (رحمتہ اللہ علیہ) کے ساتھ بھر پور حصہ لیا اور مختلف بھیس بدل کر مثلاً معالج حیوانات ووید حکیم گانے والی پارٹی اور سادھوں کی پارٹی وغیرہ بنا کر شدھی تحریک کو کیفر کردار تک پہنچایا اور اس طرح آپ نے لاکھوں مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچایا۔

سیاسی خدمات:

۱۹۲۵ء ہی سے آپ نے سیاست میں مکمل طور پر دلچسپی لینا شروع کر دی تھی ضلع فیروز پور میں خطابت کے دوران نواب شاہنواز ممدوٹ کی نگرانی میں مسلم لیگ کے نصب العین اور سائمن کمیشن کے بائیکاٹ اور شاردا ایکٹ کو ناکام بناتے کے لئے بھی علماء ومشائخ کے شانہ بشانہ کام کیا۔

۱۹۲۹ء میں مولانا نے عملی طور پر سیاست میں حصہ لیا اور ۱۹۳۱ء میں تحریک کشمیر اور ۱۹۳۲ء میں مسلمانانِ ریاست الور جب ریاستی مظالم کی تاب نہ لا کر اجمیر شریف بھرت پور، گوڑ گانواں اور دہلی کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئے تو آپ حضرت سید غلام بھیک نیرنگ انبالوی خلیفہ اشرفی میاں کچھوچھوی (رحمتہ اللہ) (آپ کے پیر بھائی) سیکریٹری انجمن تبلیغ اسلام انبالہ کے زیر کمان کام کرتے تھے ۱۹۳۳ء میں ملک برکت علی بیرسٹر لاہور (مشہور مسلم لیگی لیڈر) کے حلقہ انتخاب قصور میں رائے عامہ ہموار کیا اور ملک صاحب بفضل خدا کامیاب ہوئے ۳۷۔۱۹۳۶ء میں لاہور میں خان غلام رسول ایڈوکیٹ جنرل سیکریٹری صوبائی مسلم لیگ اور ملک برکت علی کے ایماء پر مسلم لیگ کے لئے کام کیا اور لاہور کے مضافات میں گلی گلی کوچہ کوچہ مسلم لیگ

کا پیغام پہنچایا۔

۱۹۳۸ء میں تحریک آریہ سماج جو نظام حیدر آباد کے خلاف جبتھ بندی کی صورت میں چلائی گئی تھی کے انسداد کے لئے کافی خدمات انجام دیں اور یوم نظام منایا ۱۹۳۹ء میں قائداعظم کی ہدایت پر یوم نجات منایا گیا تو مولانا نے بھی مجلس تبلیغ الاسلام لالہ موسیٰ کے زیر اہتمام یہ دن منایا۔

جنوری ۱۹۴۷ء میں خضر وزارت میں مسلم لیگ کی سول نافرمانی کی تحریک میں حصہ لیا اور قرارداد پاکستان کے بعد کے لئے زندگی وقف کردی، حکیم سردار خان، حال ممبر قومی اسمبلی (پیپلز پارٹی) اس وقت ضلع مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری تھے ان کے ساتھ مولانا ضلع بھر کا دورہ فرماتے رہے اور انتخاب کے دوران سر فیروز خاں نون اور سردار شوکت حیات خاں کی معیت میں ضلع بھر کے اہم مقامات کا دورہ کیا مسلم لیگ کا سبز پرچم لہراتے ہوئے گلی کوچوں میں گاتے پھرتے تھے۔

سبز جھنڈے کی کون سنے گا؟

پھر جواب دیتے اللہ پاک سنے گا بڑی بوڑھیوں مکانوں پر کھڑی ہو کر یوں دعائیں دیتیں۔

"ماں قربان جاوے پتر وسدا جیو، اللہ جھنڈے دی لاج رکھے کملی والی سرکار داناں اچا ہودے سے وغیرہ وغیرہ۔"

یوں یہ سلسلہ صبح سے لے کر رات گئے تک جاری رہتا۔

۱۹۴۵ء میں ملک فیروز خان نون اور سردار شوکت حیات کے ساتھ مسلم لیگی امیدواروں کے لئے شب وروز کام کیا اور اسی سال مولانا نے لالہ موسیٰ کے مسلم

لیگیوں کی طرف سے قائداعظم کو مسلم لیگ کے لئے تھیلی پیش کی اس کی دلچسپ تفصیل مولانا ہی کی زبانی سنئے۔

"قائداعظم بذریعہ کشمیر سے واپس لاہور تشریف لا رہے تھے اور راستہ میں انہیں جابجا جلسوں سے خطاب کرنا تھا ہم نے بھی لالہ موسیٰ میں استقبال کی تیاری شروع کر دیں اور نذرانہ کی تھیلی کا بھی بندوبست کیا جی ٹی روڈ پر میل ڈیڑھ میل تک جھنڈیاں اور محرابیں بنوائیں مسلم لیگ کے جھنڈے لگائے اور تمام علاقہ میں آدمی دوڑا کر صبح تک ہزاروں آدمی جمع کر لئے، پنڈال میں میلے کا سماں تھا ہر طرف چہل پہل تھی سٹیج تیار ہو چکا تھا شامیانے نصب تھے لیکن لطف کی بات تو یہ تھی کہ نہ تو قائداعظم کو اس کی اطلاع تھی اور نہ ہی ان کے پروگرام میں لالہ موسیٰ ٹھہرنے کا اندراج تھا۔

دوپہر کو قائداعظم تشریف لائے تو فضاء نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، مسلم لیگ زندہ باد، قائداعظم زندہ باد، لے کے رہیں گے پاکستان، آنکھوں کا نور پاکستان، دل کا سرور پاکستان کی گونج سے لالہ موسیٰ کی فضاء میں انتہائی جوش و خروش تھا، قائداعظم نے پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے؟ عرض کیا گیا لالہ موسیٰ، فرمایا ہمارے پروگرام میں شامل نہیں ہم گجرات ٹھہریں گے۔

سڑک پر استقبال کے لئے چوہدری غلام احمد قادری جنرل سیکریٹری مسلم لیگ لالہ موسیٰ مع رفقاء موجود تھے میری ڈیوٹی اسٹیج پر تھی جب قائداعظم نے ٹھہرنے سے انکار کر دیا اور کار سے نہ اترے تو چوہدری صاحب نے مجھے آواز دی وہ جا رہے ہیں یہیں آکر مل لو میں نے فوراً آکر سلام عرض کر کے ہاتھ ملایا اور عرض کیا

"ذرا باہر آکر کھڑے ہو جائیں تا کہ لیگ کے کارکن جو دور دراز سے راتوں رات پیدل سفر کر کے یہاں پہنچے ہیں اپنے محبوب قائد کو ایک نظر دیکھ تو لیں۔

یہ سن کر قائداعظم موٹر کے پائیدان پر کھڑے ہو گئے، میں نے پھر عرض کیا آپ زمین سے ڈیڑھ فٹ بلندی پر کھڑے ہیں اگر چھ سات فٹ اونچے کھڑے ہوں تو زیادہ لوگ دیکھ سکیں گے، فرمانے لگے کیوں؟ میں نے عرض کیا اس لئے کہ میں مسلم لیگ کا جنم ساتھی ہوں اور آپ اس کے صدر ہیں، فرمایا کیسے؟ میں نے کہا کہ میری پیدائش ۱۹۰۶ء میں ہوئی اور مسلم لیگ کا قیام بھی ۱۹۰۶ء میں ہوا، چونکہ میں اور مسلم لیگ اکھٹے پیدا ہوئے، لہٰذا میں اس کا جنم ساتھی ہوں۔

اس پر قائداعظم وفور جذبات سے مجھے گلے لگالیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اسٹیج پر تشریف لائے اور فرمایا حضرات میرا مولانا سے لڑائی ہوا تو وہ پیار اور محبت کا تھا، یہ سامنے انڈیا کا نقشہ ہے، میں اس پر پاکستان کو ابھرتا ہوا دیکھ رہا ہوں، منزل بالکل قریب ہے، آپ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر میرے ہاتھ مضبوط کریں اللہ ہمارا حامی وناصر ہو، اس دلکش اور وجد آور خطاب کے بعد مسلم لیگ زندہ باد اور قائداعظم زندہ باد کے نعروں کی گونج میں میں نے نذرانہ کی تھیلی پیش کی اوران کا قافلہ شاداں وفرحاں عازم گجرات ہوا۔"

ان مجاہدانہ سرگرمیوں کی بناء پر آپ نے مختلف اوقات میں قیدوبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں، مجموعی طور پر آپ نے ملک وملت کے لئے تقریباً چارسال کا عرصہ جیلوں کی نذر کیا، مگر آپ کے عزم وولولے میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہوئی اور آپ پوری دل جمعی کے ساتھ اپنے نصب العین کے حصول میں منہمک رہے۔

ہوا ہے گوتند وتیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش حق نے جسکو دیئے ہیں انداز خسروانہ

سیاسی خدمات:

۱۹۶۴ء میں بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں مولانا اپنے بہت سے ساتھی لے کر شریک ہوئے جب پاکستان معرض وجود میں آگیا تو آپ نے زیادہ تر مذہبی امور کی طرف توجہ دینی شروع کی مگر سیاسی تحریکات سے دلچسپی میں فرق نہ آیا ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں حصہ لیا ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جمعیت علماء پاکستان کے لئے بھرپور کام کیا ۱۹۷۴ء میں جب دوبارہ تحریک ختم نبوت چلی تو علماء اہل سنت کے شانہ بشانہ کام کیا۔(۱)

آپ کی خدمات کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ملک وملت کے سچے خادم اسلام ومسلمانوں کے شیدائی اور تحریک پاکستان کے معماروں میں شامل تھے۔

---

۱) بتصرف کتابچہ مولانا غلام قادری اشرفی رمولفہ محمد صادق قصوری شائع کردہ مرکزی مجلس رضا لاہور

مولانا غلام فخر الدین گانگوی میانوالی

ولادت:

حضرت مولانا غلام فخر الدین گانگوی بن مولانا سید احمد دین گانگوی بن مولانا میاں غلام علی (رحمہما اللہ) ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں بمقام گانگی شریف واقع غربی جانب میانوالی پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب بتیس واسطوں سے غوث صمدانی حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تک پہنچتا ہے۔[۱]

آپ نے علوم وفنون کی اکثر کتب اپنے والد ماجد حضرت علامہ سید احمد دین گانگوی (متوفی ۴ رجب ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۸ء) سے پڑھیں، کچھ عرصہ جامعہ مظفریہ رضویہ واں بھچراں میں بھی اکتساب فیض کیا۔

کتب احادیث (دورہ حدیث) صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور اس طرح تکمیل کے بعد ۱۹۴۷ء میں دار العلوم جامعہ نعیمیہ مراد آباد (ہندوستان) سے دستار فضیلت کا شرف حاصل کیا۔

فراغت کے بعد جامع مسجد گانگوی میانوالی میں تدریس شروع کی اور اس کے ساتھ ہی ایک دار العلوم "شمس العلوم" کے نام سے قائم کیا، چنانچہ آج تک اس دار العلوم میں آپ سے تشنگان علوم دور دور سے آکر سیراب ہوتے ہیں۔

۱۹۶۳ء میں آپ نے حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی کے ہاتھ پر شرف بیعت حاصل کیا اور خلافت واجازت سے مشرف ہوئے (۲)۔

(۱،۲) تذکرہ علماء اہلسنت، مولفہ مولانا محمود احمد قادری

مولانا ابو نعیم محمد صالح نعیمی رلاڑکانہ رسندھ[1]

ولادت:

حضرت مولانا ابو نعیم محمد صالح نعیمی بن حاجی فیض محمد بن حاجی لال بخش ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں بمقام آگاہی ضلع لاڑکانہ (سندھ) پیدا ہوئے۔

ابتدائی کتب درس نظامی کی تعلیم گھونگی میں مولانا محمد اسماعیل سے حاصل کی فنون کی کتب خان پور ضلع رحیم یار خان میں سراج الفقہاء حضرت مولانا سراج احمد اور دورہ حدیث مراد آباد میں صدرالا فاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی سے تکمیل کئے ۱۹۴۶ء میں سند فراغت اور دستار فضیلت حاصل کی۔

دینی خدمات:

آپ نے تدریسی زندگی کا آغاز اپنے آبائی گاؤں سے کیا، آپ تقریباً نو سال تک پڑھانے کے بعد دارالعلوم احسن "البرکات" حیدرآباد اور دارالعلوم جامعہ نعیمیہ قاسمیہ مسجد لاڑکانہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

سیاسی خدمات:

تحریک پاکستان کے وقت آپ مراد آباد میں درجہ حدیث کے طالب علم تھے۔ جب اہل سنت وجماعت نے بنارس میں سنی کانفرنس منعقد کر کے مطالبہ پاکستان کیا تو آپ بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔

---

(۱) تعارف علماء اہلسنت

دینی خدمات:

قیام پاکستان کے بعد آپ نے تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ (صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم) میں آپ نے بھرپور حصہ لیا۔

تصانیف:

آپ نے تصوف کے موضوع پر تقریباً اسی صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ''رسالہ غفاریہ'' کے نام سے لکھا اور پورے ملک میں تقسیم کیا گیا۔[1]

(۱) تعارف علماء اہلسنت، لاہور

مولانا محمد علم الدین فرید کوٹی رحمتہ اللہ علیہ

ولادت:

مولانا موصوف ۱۸۹۳ء میں مشرق پنجاب (انڈیا) کے گاؤں قلعی ارائیاں ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وہاں ہی حاصل کی۔ قرآن پاک مولانا خدا بخش سے پڑھا، ابتدا میں اپنے علاقے کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا محمد سعید شبلی سے درس نظامی کی کتب متداولہ پڑھی بعد ازاں تشنگی علم، کشاں کشاں دہلی لے گئی، وہاں سے مراد آباد جا کر جامعہ نعیمیہ میں داخل ہو گئے اور صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین (رحمتہ اللہ علیہ) کے حضور زانوائے تلمذ تہہ کئے اور باقی علوم کی تکمیل کی۔ حضرت مولانا غلام قادر اشرفی لالہ موسیٰ اور مولانا محمد عبداللہ فرید کوٹی اس وقت آپ کے ہم جماعت تھے۔ آپ نے اس زمانے کے مشہور مبلغ حضرت مولانا غلام قطب الدین برہمچاری (رحمتہ اللہ علیہ) سے فن تقریر میں مہارت تامہ حاصل کی اور ان کے ہمراہ شدھی تحریک کے خلاف بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آریا مبلغوں سے مناظرے کئے اور ہزاروں سیدھے سادھے مسلمانوں کو گمراہ ہونے سے بچایا، طریقت میں آپ نے حضرت صالح محمد نقشبندی مجددی ساکن نترانوالی ضلع سیالکوٹ سے بیعت کی اس کے علاوہ آپ نے آستانہ عالیہ شرقپور شریف اور حضرت سید محمد اسمٰعیل المعروف بہ حضرت کرماں والہ سے بھی فیض حاصل کیا۔

آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسلام اور مسلک اہل سنت کے لئے وقف تھا آپ اتباع رسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) اور سادگی میں سلف کی یادگار تھے،

قیام پاکستان سے پہلے جو ہندوستان کی سکھ ریاست فرید کوٹ میں سکونت پذیر تھے۔

اس وقت اس وقت آپ کا عالم شباب تھااور دین کی خدمت کا جذبہ افزوں تھا۔۱۹۲۴ء میں سکھ راجا ہراندر سنگھ نے گائے کی قربانی پر پابندی عائد کردی، بعض کانگریس نواز دیوبندی علماء نے فتویٰ دے دیا کہ سکھ ریاست میں گائے کی قربانی ضروری نہیں۔ اس وقت آپ کی رگ سماعت پھڑک اٹھی اور آپ میدان عمل میں کود پڑے اور وقت کے مطلق العنان راجہ سے ٹکرا گئے۔ اس کے خلاف تحریک چلائی اور راجہ کو اپنا حکم واپس لینے پر مجبور کردیا۔

۱۹۳۵ء میں متعصب راجہ نے اپنی ایک کتیا کا نام زلیخا رکھ دیا تو آپ نے فوراً احتجاج کیا اور راجہ کے خلاف بڑی جرأت و بے باکی سے تقریریں کر کے مسلمانوں میں ایمانی حرارت پیدا کی۔ چنانچہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر راجہ نے اپنے اس فعل پر مسلمانوں سے معافی مانگی۔

۱۹۳۷ء میں راجہ نے فرید کوٹ کی ایک مسجد میں دفتر میونسپل کمیٹی قائم کرنے اور مسجد کو شہید کر کے دکانیں بنانے کا منصوبہ بنایا آپ مسجد کے تحفظ کی خاطر پھر میدان میں کود پڑے اور شہر کے مسلمانوں کو جمع کر کے بھرپور احتجاج کیا راجہ کو اپنا منصوبہ ناکام ہوتا نظر آیا تو گردونواح کے مسلمانوں کا ایک اجلاس بلایا، جس میں دربار سے منسلک کانگریسی مولویوں کو بھی مدعو کیا گیا۔ راجہ ہنراندر سنگھ نے اپنے منصوبے کے جواز میں دلائل دیئے اور مسجد کے لئے متبادل جگہ دینے کا اعلان کیا۔ درباری مولویوں نے راجہ کی تائید کی۔ اس اجلاس میں آمر مطلق راجہ ہراندر سنگھ اور اس کے امراء وزراء موجود تھے، سناٹا چھایا ہوا تھا، کسی کی جرات نہیں تھی کہ راجہ کے سامنے حق بات کہہ

سکے۔آپ نے اپنی مومنانہ فراست کے ساتھ نتائج کی پرواہ کئے بغیر کھڑے ہو گئے اور راجہ کو کہا کہ آپ کا فیصلہ غلط ہے جس جگہ ایک دفعہ مسجد تعمیر ہو جائے وہ قیامت تک کسی اور مصرف میں نہیں لائی جاسکتی ،اس لئے مسلمان آپ کے فیصلے کہ ہرگز ہرگز قبول نہیں کریں گے اور نہ ہی مسجد کو شہید ہونے دیں گے۔

اس حق گوئی و بے باکی کی پاداش میں آپ کو ریاست بدر کر دیا گیا۔آپ جالندھر تشریف لے آئے اور وہاں مدرسہ البنات کو اپنی خدمات پیش کر دیں۔آپ نے دس سال جلاوطنی میں گزارے۔اس دوران آپ کے تین سالہ اکلوتے بیٹے محمد رضا کا انتقال ہو گیا۔اس صدمے کو بڑے ضبط وتحمل سے برداشت کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے۔

جلاوطنی کا عرصہ گزارنے کے بعد آپ نے فرید کوٹ میں مسلمانوں کے تعاون سے ''انجمن اصلاح المسلمین'' کمیٹی قائم کی اور اس کے جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے ،اس انجمن کے تحت ایک دینی درسگاہ اور پرائمری اسکول کا اجرا کیا گیا۔مسلم لیگ نے تحریک آزادی میں نئی روح پیدا کی تو دل وجان سے ساتھ دیا۔۱۹۴۵ء میں کانگریس نے فرید کوٹ میں ایک جلسہ منعقد کیا اور مسٹر نہرو کو مدعو کیا۔آپ نے اس جلسہ کو ناکام بنادیا اور اس مقابلے میں مسلم لیگی رہنماؤں کو فرید کوٹ بلا کر پاکستان کی حمایت میں زبردست تقریریں کیں۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم کے وقت جب مسلمان ہجرت کر کے پاکستان آنا شروع ہوئے تو آپ کو پاکستان جانے کا مشورہ دیا گیا آپ نے جواب میں فرمایا کہ جب تک ریاست کے سب مسلمان پاکستان نہیں چلے جاتے میں نہیں جاؤں گا۔ پیر

۲۸/اگست ۱۹۴۷ءکوتحریک پاکستان کی زبردست حمایت کے الزام میں آپ کوگرفتار کرلیا گیا، چھ ماہ جیل میں رہے، عرصہ قید و بند میں جو مصائب آپ نے برداشت کیے، قلم ان کوتحریر کرنے سے قاصر ہے۔ البتہ ایک واقعہ کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا جیل میں چکی پیسنے اور بان باٹنے کی مشقت لی جاتی تھی ، جس کی وجہ سے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھےاور پورے چھ ماہ حجامت بنانے کی اجازت نہیں دی گئی اور آپ کی حالت عجیب وغریب ہوگئی تھی۔ ایک روز صبح کی نماز کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑا کر دعا کی ، یااللہ میں ایک کمزور اور گناہ گار ہوں مجھ پر رحم فرمااور میری غلطیوں کومعاف فرما۔

آپ کی یہ التجا فوراً قبول ہوئی ۔اسی روز ریاست کا حکمران راجہ جیل کا معائنہ کرنے آیا۔ آپ کا کیس دیکھ کر آپ کی رہائی کا حکم صادر کر کے آپ کو پاکستان بھیج دیا گیا۔ ۲۲ فروری ۱۹۴۸ء کو آپ پاکستان پہنچ گئے اور اوکاڑہ آکر سکونت پذیر ہو گئے اور بقیہ عمر دینی، ملی اور سیاسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۳ء تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا قیادت کے جرم میں گرفتار کر لئے گئے، پانچ ماہ قید رہنے کے بعد باعزت بری ہوکر واپس تشریف لے آئے ۔ آپ شہر میں ہر مکتبہ فکر کے لوگوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ۱۹۷۴ء کی جنگ کے دوران شہر میں ہر مکتبہ فکر کے لوگوں پر مشتمل ایک تنظیم جہاد کمیٹی کے نام سے تشکیل کی گئی۔ جہاد کمیٹی کے صدر چنے گئے کمیٹی نے اسٹیشن پر پاکستان کے جیالے فوجیوں کے لئے کھانے کا انتظام کیا۔ روزانہ تقریباً پانچ سو افراد کو کھانا کھلایا جاتا۔ نیز دیگر ضروریات زندگی بطور امداد دی جاتیں، سیلاب کمیٹی کے بھی آپ صدر چنے گئے، آخر وقت تک آپ جمعیت

علمائے پاکستان اوکاڑہ کے صدر رہے۔ ۱۹۷۲ء میں حج بیت اللہ اور زیارت روضہ اقدس ﷺ کا شرف حاصل ہوا۔ آخر عمر میں آپ سرطان کے مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے اور دو ماہ کی علالت کے بعد ۹ ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۷۴ء بوقت شام اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔[1] (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ)

(۱) تعارف علماء اہلسنت (مولفہ مولانا محمد صدیق ہزاروی)
اور اکابر اہلسنت (مولفہ علامہ شرف القادری، لاہور)

علامہ (جسٹس) پیر کرم شاہ نعیمی الازھری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:

حضرت پیر کرم شاہ ابن حضرت پیر محمد شاہ غازی ابن پیر امیر شاہ یکم جولائی ۱۹۱۸ء مطابق ۱۳۳۶ھ موضع بھیرہ ضلع سرگودھا پنجاب میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مولانا محمد قاسم بالائی کوٹی سے حاصل کی فلسفہ اور منطق حضرت مولانا محمد دین، مولانا غلام محمد پیپلاں میانوالی سے ادب، فقہ اور ریاضی وغیرہ کا درس لیا۔ یہ تمام اساتذہ اس وقت دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں ہی مسند تدریس پر فائز تھے۔

دورہ حدیث کے لئے آپ نے ہندوستان کی ایک عظیم دینی درسگاہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد کا انتخاب کیا جہاں حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین (المحدث والمفسر) مرادآبادی (خلیفہ امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی (علیہ الرحمتہ اور شیخ المشائخ اشرفی میاںؒ) درس حدیث دے رہے تھے، حاضر ہوئے۔

آپ جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے ۱۹۴۳ء میں سند فراغت اور دستار فضیلت سے مشرف ہوئے، ۱۹۵۴ء میں جامعہ ازہر مصر قاہرہ سے الشہادۃ العالمیہ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔ مصر سے واپسی کے بعد آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز اپنے والد اور دادا کے قائم کردہ مدرسہ ''دارالعلوم محمدیہ غوثیہ'' بھیرہ، سرگودھا سے کیا۔

روحانی تربیت کے لئے آپ اس وقت کے عظیم المرتبت شیخ حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی اور بالترتیب حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی (علیہما الرحمۃ) کے

ہاتھ پر بیعت ہوئے، خلافت واجازت وعمامہ سے مشرف کیے گئے، درس وتدریس کے علاوہ آپ ماہنامہ ''ضیاء حرم'' کا اجراء فرما کر علمی وتحقیقی مضامین سے مسلک اہل سنت وجماعت کی فروغ واشاعت میں سرگرداں رہے۔ بالخصوص اس ماہنامہ میں آپ نے ادارتی صفحات بعنوان ''سردلبراں'' نے اہل علم وفن سے خوب خراجِ تحسین حاصل کیا۔[1]

سیاسی خدمات:

آپ نے تحریک پاکستان کے زمانے میں بھی بڑی گرم جوشی سے مسلم لیگ کی تائید وحمایت میں اپنے حلقہ اثر میں اپنے والد کے ہمراہ بکثرت طوفانی دورے کیے اور مسلم لیگی امیدوار کو کامیاب کرانے کے لئے فضاء ہموار کی اگر کسی مرید نے کسی مجبوری کے تحت مسلم لیگ کو ووٹ دینے میں پس وپیش دی تو اس سے قطع تعلق کرلیا جب قائد اعظم علیہ الرحمتہ کے ایماء پر سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو آپ بھی اپنے والد (علیہ الرحمتہ) کے ہمراہ اس میں شریک ہوئے اور قید وبند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ ۵۳ میں ختم نبوت کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک مصطفیٰ میں حضرت قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں تحریک کی قیادت باحسن فرمائی آپ نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش فرما کر پیرانِ طریقت کے لئے ایک قابل تقلید مثال قائم فرمادی، جیل سے رہا ہونے کے بعد ملک کے مختلف شہروں میں اجتماعات کیے اور عوام کو نظامِ مصطفیٰ کی خوبیوں سے آگاہ کیا۔

---

(۱) تعارف علماء اہلسنت (مولفہ مولانا محمد صدیق ہزاروی)

تحریری خدمات:

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا جس نے تھوڑے ہی عرصے میں دیگر اشاعتی اداروں میں اپنا مقام بنالیا ہے۔ آپ کی سرپرستی میں اس ادارے سے سب سے پہلے ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' (مولانا احمد رضا بریلوی) 'ضیاء القرآن فی تفسیر القرآن اور ضیاء النبی کے نام سے سیرت نبوی ﷺ کی کئی جلدیں شائع ہوئیں۔ علاوہ ازیں آپ کی سرپرستی میں ماہنامہ ''ضیائے حرم'' کا ختم نبوت نمبر، فاروق اعظم نمبر، صدیق اکبر نمبر، عید میلاد النبی نمبر شائع ہوئے، جو نہایت قیمتی دستاویزات ہیں۔ آپ سرگودھا، اسلام آباد اور بیرون ملک جرمنی اور لندن وغیرہ میں اپنے زیر سرپرستی کئی دینی ادارے قائم کرائے۔

سیاسی خدمات:

۱۹۷۰ء میں ٹوبہ ٹیک سنگھ میں آپ کو باضابطہ جمعیت علماء پاکستان کی تشکیل نو کے عرصہ تک نائب صدر منتخب کیا گیا اور آپ ''جمعیت علماء پاکستان'' کے نائب صدر کے عہدے پر فائز رہے۔

۱۹۷۷ء میں تحریک نظام مصطفیٰ میں ''جمعیت علماء پاکستان'' کے زیر اہتمام (ضلع سرگودھا میں) جلوس کی قیادت کی بلکہ آپ نے تحریک کو کامیاب کرانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

آپ کے تلامذہ بھی آپ کے شانہ بشانہ دینی وسیاسی خدمات میں پیش پیش رہے۔ بالآخر آپ ایک طویل عرصے تک دینی وسیاسی روحانی وعلمی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۹۹ء میں انتقال فرمائے گئے (اناللہ وانا الیہ راجعون)

اولاد:

آپ کی جگہ آپ کے صاحبزادے محترم سید امین الحسنات صاحب مدظلہ علمی و دینی و روحانی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تصنیفی خدمات:

آپ کی تصانیف میں قرآن مجید کی تفسیر بنام ''ضیاء القرآن'' بہت ہی معروف و مقبول تفسیر ہے، آپ نے اس ترجمہ و تفسیر میں عصر حاضر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جس اسلوب و منہج کو پیش نظر رکھا ہے قابل تعریف ہے۔ آپ نے اپنے ترجمہ و تفسیر میں عصر حاضر کے علاوہ قدیم تفاسیر سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے لیکن درست موقف کے استعمال میں ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' کو ہی پیش نظر رکھا ہے۔ راقم الحروف نے پورے ترجمہ و تفسیر میں کہیں بھی دامن مصطفیٰ اور موقف رضا سے ہٹتے محسوس نہیں کیا۔

اسی طرح آپ کی دوسری کتاب سیرت النبی ﷺ میں ضیاء النبی ہے جو کئی جلدوں میں آپ کی زندگی میں چھپ چکی ہیں۔

فتنہ انکار حدیث کے رد میں آپ نے ایک کتاب حضرت علامہ محمد اطہر نعیمی (سابق چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان) کے ایماء پر ''سنت خیر الانام'' لکھی جو اہل علم میں مقبول ہوئی اور فتنہ پرویزیت کے خاتمہ میں بڑی مدد ملی۔[1]

---

(۱) روزنامہ جنگ کراچی ۱۹۹۸ء اور ''جمال کرم'' میں تفصیلات ملاحظہ کیجئے۔

مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمۃ

ولادت:

مولانا غلام معین الدین نعیمی ابن سید صابر اللہ شاہ چشتی صابری اشرفی نعیمی ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ/ ۲۳ر دسمبر ۱۹۲۳ء کو مرادآباد میں پیدا ہوئے۔

تعلیم:

آپ نے مرادآباد کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ نعیمیہ میں تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی اور صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی (قدس سرہ) سے علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل کی۔ آپ اپنے دینی تعلیم کے حصول کے زمانے ہی میں فن طب حاصل کیا اور ۱۹۴۳ء میں وہاجیہ طبیہ کالج لکھنو سے الحکیم الفاضل کی سند حاصل کی اور ۱۹۴۵ء میں جامعہ نعیمیہ سے آپ تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے۔

سیاسی و دینی خدمات:

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کی قیادت میں آپ نے تحریک پاکستان کے لئے سرگرمی سے حصہ لیا، ایک عرصہ تک آل انڈیا سنی کانفرنس کے خصوصی منصرم رہے۔

آپ ۱۹۵۰ء میں پاکستان آئے غازی کشمیر مولانا ابوالحسنات قادری نے آپ کو جمعیت علماء پاکستان کا نائب ناظم مقرر کیا۔ بعد ازاں آپ نے حضرت صدر الافاضل کی یاد میں ایک ہفت روزہ ''سواد اعظم'' کا اجراء کیا اور بڑی محبت اور ہمت سے تاحیات اس رسالہ کو جاری رکھا اس جریدے کی خصوصیت یہ تھی کہ مسلک

اہل سنت و جماعت کے تحفظ کے لئے حتی الامکان کوشش کرتے رہے اور اسی کے ذریعے آپ مسلک کے مخالفین کی فتنہ سامانیوں کا سختی سے نوٹس لیتے رہے۔

تصانیف وتراجم:

مفتی صاحب مرحوم نے ناقدری کے اس دور میں بھی تقریباً پچاس کے قریب کتابوں کے ترجمے کئے جن میں سے شفاء شریف، مدارج النبوت اور کشف المحجوب کے ترجمے خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ بے سروسامانی کے عالم میں مسلک اہل سنت کی بہت سی کتابوں کی اشاعت کرائی۔

۱۲ جمادی الاخری ۱۴/اگست (۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) بروز بدھ آپ نے وصال فرمایا اور لاہور میں میانی صاحب کے قبرستان میں بہاولپور روڈ پر مولانا غلام محمد ترنم علیہ الرحمتہ کے مزار کے پاس آسودۂ خاک ہوئے، نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی خان بریلوی نے پڑھائی (۱)۔

اور جناب بشیر حسین ناظم نے قطعہ تاریخ لکھا جس کا تاریخی شعر درج ذیل ہے۔

چوں از فلک بخواستم کہ چیست سال رحلتش؟
بگوش مژدہ آمد ''غریق رحمت ابد''۔
(۱۹۷۱ء)

---

(۱) پندرہ روزہ ''سواد اعظم'' جولائی ۱۹۷۱ء۔ لاہور

حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:

حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی بن ملا تفضل حسین ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں سنبھل ضلع مراد آباد (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم:

۱۹۳۳ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخل ہوئے درس نظامی کی کتابوں پر مکمل عبور حاصل کیا۔

اور ۱۹۴۲ء میں آپ نے "جامعہ نعیمیہ" ہی سے سند فراغت اور دستار فضیلت حاصل کی۔

حضرت صدر الافاضل کے علاوہ آپ نے جن قابل ذکر اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں مولانا وصی احمد سہسرامی (بہاری) مولانا شمس الدین بہاری، مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مراد آبادی (مدفون کراچی) اور مولانا محمد یونس (بہاری) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تدریسی خدمات:

۱۹۴۲ء میں مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد (رحمتہ اللہ علیہ) نے دار العلوم حزب الاحناف میں تدریس کی خاطر حضرت صدر الافاضل کو ایک مدرس بھیجنے کے لئے لکھا تو آپ نے حضرت مفتی صاحب کو لاہور بھیج دیا ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۸ء آپ دار العلوم انجمن نعمانیہ لاہور میں مسند تدریس پر فائز ہوئے۔

بعد ازاں آپ نے لاہور میں دار العلوم جامعہ نعیمیہ کی بنیاد رکھی۔ آغاز

تدریس میں آپ کے ساتھ مولانا حافظ محمد عالم سیالکوٹی، مولانا عبدالغفور (لاہور) اور مولانا عبدالحیٔ نے معاونت کی۔

حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی (علیہ الرحمتہ) نہ صرف ایک قابل مدرس بلکہ نہایت پر تاثیر خطیب ماہر مفتی اور منجھے ہوئے سیاست دان بھی تھے، ملک وملت کے لئے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

دینی وسیاسی خدمات:

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شرکت فرما کر اپنے استاد صدرالافاضل مولانا مراد آبادی کی قیادت میں حصول پاکستان کی تحریک میں شریک رہے، اسی طرح تحفظ مقام مصطفٰی اور نظام مصطفٰی کے نفاذ کی خاطر آپ نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں علامہ سید محمود احمد رضوی ابن علامہ ابو البرکات سید احمد شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لاہور کے ساتھ مل کر حزب الاحناف (جو اِن دنوں اندرون دہلی دروازہ لاہور میں واقع تھا) میں ایک مرکز قائم کیا جہاں پولیس اور فوج کے نوجوانوں کو تحریک ختم نبوت کی اہمیت پر ذاتی مشین پر پمفلٹ چھپوا کر تقسیم کرتے تھے، مارشل لاء کے دوران آپ کو گرفتار کرلیا گیا۔ فوجی عدالت نے بری کر دیا مگر دوسرے مقدمہ کی سماعت جاری تھی کہ مارشل لاء کا زور ٹوٹ گیا اور آپ مکمل طور پر بری کر دیئے گئے۔

۱۹۷۶ء میں جمعیت علماء پاکستان کی تطہیر کے لئے مفتی صاحب نے ایک زبردست مہم چلائی تھی چونکہ آپ جمیعت کو فعال بنانا چاہتے تھے اور جمعیت کو حکومت کے وظیفہ خوار اور حاشیہ بردار علماء سے پاک کرنا چاہتے تھے چنانچہ آپ کی کوششوں

سے اس وقت ملک بھر کے سنی علماء حضرت شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی فاضل دارالعلوم منظر اسلام بریلی کی قیادت میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ صدر ایوب کے دور میں جب تمام علماء کو حکومتی مرضی کے مطابق عید کی نماز پڑھانے کو کہا گیا تو مفتی صاحب نے سخت احتجاج کیا چنانچہ آپ کو دوسرے علماء کے ساتھ گرفتار کر کے مچھ جیل (بلوچستان) بھیج دیا گیا۔[1]

۱۹۷۷ء کی تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ میں آپ نے اپنے دارالعلوم میں غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد کاظمی کی صدارت میں علماء اہل سنت کا نمائندہ اجلاس بلایا اور ایک قرارداد کے ذریعے تحریک میں حصہ لینے کو جہاد اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کو شہید قرار دیتے ہوئے اعلان کیا کہ علماء اہل سنت اس تحریک میں مکمل طور پر پوری قوم کے ساتھ ہیں۔[2]

حضرت مفتی نعیمی نہایت باہمت اور باشعور علماء میں شمار ہوتے تھے اور اپنی سیاسی بصیرت کی وجہ سے عالم اسلام کی نامور شخصیتوں کو دعوت دے کر جامعہ کی تقاریب میں جمع کرتے تھے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے جولائی ۱۹۷۷ء میں اسلامی مشاورتی کونسل کے لئے جن علماء کا انتخاب کیا ان میں آپ کا نام بھی شامل تھا لیکن بعض علماء اہل سنت اور مشائخ نے مارشل لاء حکومت کے زیر نگرانی اسلامی مشاورتی کونسل میں آپ کی شمولیت کو درست خیال نہیں کیا اس لئے آپ کونسل میں پہنچ کر حکومت کی کوئی مدد نہ کر سکے۔

---

(۱) تعارف علماء اہلسنت۔۔ لاہور

(۲) ماہنامہ ''عرفات'' لاہور

اشاعت علم دین:

آپ نے ایک ماہنامہ مجلہ بنام ''عرفات'' جاری کیا، جواب تک آپ کے فرزندار جمند علامہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی کی ادارت میں ہر مہینے علمی اور تحقیقی مضامین کے جلو میں قارئین کے سامنے آتا ہے۔

آپ نے قاضی عیاض (رحمتہ اللہ علیہ) کی الشفاء مولانا ابوالحسنات (رحمتہ اللہ علیہ) کی ''اوراق غم'' اور الخیرات الحسان کی اس وقت طباعت کرائی، جبکہ کوئی ناشران کی اشاعت کے لئے تیار نہ تھا۔

آپ کے مشہور تلامذہ میں

۱) حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی، دارالعلوم نعیمیہ کرچی (۱)

۲) مولانا الٰہی بخش۔ لاہور

۳) مولانا حافظ محمد عالم ؍سیالکوٹ

۴) مولانا باغ علی نسیم ؍لاہور

۵) مولانا اشرف کاظمی ؍آزاد کشمیر

۶) زینت القراء مولانا قاری غلام رسول، لاہور۔

۷) مولانا محمد سعید نقشبندی خطیب دربار داتا گنج بخش لاہور کا نام سرفہرست ہے۔

ایک طویل خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۹۷ء میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر سرفراز نعیمی مدظلہ اپنے والد کے مشن کو فروغ دینے میں مصروف عمل ہیں۔ (نوری غفرلہ)

---

(۱) تفصیلات کیلئے ''حیاتِ سعید ملت''، مؤلفہ مولانا محمد ناصر خان چشتی (مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار، لاہور) ملاحظہ کیجئے۔ (نوری)

مصادر ومراجع

۰۱۔ اکابر تحریک پاکستان مولفہ (الف) مولفہ مولانا محمد حادق قصوری

۰۲۔ المحجۃ المؤتمنہ، مولفہ مولانا احمد رضا خان بریلوی

۰۳۔ فاضل بریلوی اور ترک موالات، مولفہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد

۰۴۔ ارمغانِ حجاز، علامہ اقبال، لاہور

۰۵۔ روزنامہ نوائے وقت، ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۵ء

۰۶۔ مقالاتِ یوم رضا، کلیم موسیٰ امرتسری لاہور

۰۷۔ تذکرہ علماء اہلسنت، مطبوعہ کان پور، محمود احمد قادری

۰۸۔ حیاتِ صدر الافاضل، مولفہ مولانا غلام معین الدین نعیمی لاہور

۰۹۔ تذکرہ علماء اہلسنت وجماعت لاہور، مولفہ اقبال احمد فاروقی مدظلہ

۱۰۔ مجلہ معارف رضا، شمارہ ۹۰ر۰-۱۹۹۵ء، کراچی

۱۱۔ خلفاء اعلیٰ حضرت، مرتبہ محمد عبد الستار طاہر، لاہور

۱۲۔ ماہنامہ ضیاء حرم لاہور، ۱۹۷۴ء

۱۳۔ خطبہ صدارت، حضور محدث اعظم ہند آل انڈیا سنی کانفرنس، ۱۹۴۶ء بنارس،

۱۴۔ ترجمان اہلسنت کراچی، ۱۹۷۴ء

۱۵۔ تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۲۵ء، مولفہ جلال الدین قادری گجرات

۱۶۔ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ڈاکٹر محمد مسعود احمد لاہور

۱۷۔ حیات صدر الافاضل، مولفہ مولانا غلام معین الدین نعیمی لاہور

۱۸۔ خصوص مجلہ عظیم مبلغ السلام مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی نمبر، ستمبر ۲۰۰۴ء

۱۹۔ مولانا احمد رضا خان اوران کے معاصر علماء اہلسنت کے علمی وادبی خدمات۔

از مقالہ: پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی، بہار یونیورسٹی انڈیا، مطبوعہ کراچی، ۱۹۹۹ء

۲۰۔ ماہنامہ السواد الاعظم، ۱۹۳۰ء، مراد آباد انڈیا، شمارہ رجب المرجب ۱۳۴۹ھ

۲۱۔ تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت، مولفہ ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی

۲۲۔ مولانا احمد رضا بریلوی اور علماء لاہور ڈاکٹر مجید اللہ قادری

۲۳۔ ماہنامہ الاشرف کراچی، خانقاہ اشرفیہ فردوس کالونی کراچی، دسمبر ۲۰۰۳ء

۲۴۔ سیدی ابوالبرکات، مطبوعہ لاہور

۲۵۔ قضیہ اسلام، مولفہ ڈاکٹر حسن رضا خان مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی۔

۲۶۔ مطالعہ پاکستان، مولفہ پروفیسر عبدالنعیم قریشی، مکتبہ فریدی اردو بازار، کراچی ۱۹۹۴ء

۲۷۔ تحریک پاکستان اور علماء کرام، مولفہ محمد صادق قصوری، مکتبہ زاویہ دربار مارکیٹ لاہور۔

۲۸۔ ''دبدبہ سکندری''، یکم نومبر ۱۹۲۰ء

۲۹۔ ابوالبرکات اپنے مکتوبات کے آئینے میں، مولفہ مولانا محمد محب اللہ نوری

۳۰۔ الیواقیت المہریہ، مولفہ مولانا مہر علی چشتیاں پنجاب، لاہور

۳۱۔ روئیداد مرکزی جمعیت علماء پاکستان لاہور، تذکرہ اکابر اہلسنت، لاہور

۳۲۔ ہفت روزہ قندیل، ۲۰ رنومبر ۱۹۶۶ء

۳۳۔ ماہنامہ ضیاء حرم، لاہور

۳۴۔ علامہ شرف القادری، تذکرہ اکابرین سنت، لاہور

۳۵۔ تفرقہ اقوام، مفتی محمد عمر نظامی چشتی قادری مراد آباد

۳۶۔ جریدہ انصاری، دہلی ۱۹ رمارچ ۱۹۴۰ء

۳۷۔ تعارف علماء اہلسنت، لاہور، مفتی عمر صدیق ہزاروی

۳۸۔ مقدمہ فتاویٰ نعیمیہ، پاکستان

۳۹۔ فتاویٰ نوریہ مکمل، مطبوعہ بصیر پور، اوکاڑہ

۴۰۔ قرارداد پاکستان تاریخ اور تجزیہ، خواجہ رضی حیدر، کراچی، ۱۹۹۰ء

۴۱۔ مطالعہ پاکستان، میاں کمال الدین، کراچی ۲۰۰۲ء

۴۲۔ حیاتِ امام اہلسنت، پروفیسر محمد مسعود احمد، کراچی ۱۹۸۱ء

۴۳۔ روئیداد جلسہ اہلسنت امرتسر مولفہ مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی، تحفہ حنفیہ پٹنہ بہار، ۱۳۳۰ھ

۴۴۔ تاریخ ہند و پاک، مولانا قادری احمد پیلی بھیتی، کراچی ۱۹۷۶ء

۴۵۔ تحریک ہجرت راجہ راشد محمود، مطبوعہ ۱۹۲۰ء

۴۶۔ روزنامہ سعادت ائمہ اہلسنت نمبر، لائل پور ۱۹۷۰ء

۴۷۔ سیرت کمیٹی کے حال وقال، مولفہ مولانا سید نعیم الدین مرادآباد، ۱۳۵۶ھ

۴۸۔ کتاب العقائد، مولفہ مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، کراچی ۲۰۰۴ء

۴۹۔ تحریک پاکستان، مولفہ شمیم احمد لاہور، ۱۹۷۵ء

۵۰۔ روئیداد مرکزی جمعیۃ علماء پاکستان، مولفہ مولانا سید محمود احمد قادری رضوی ۱۹۴۹ء

۵۱۔ ماہنامہ السواد الاعظم مرادآباد، محرم ۱۳۴۶ھ

۵۲۔ ضیاء القنادیل لرفع ظلام الاباطیل، مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور ۱۹۲۵ء

۵۳۔ ہفت روزہ ''الفقیہ'' امرت سر، ۱۹۴۵ء

۵۴۔ روزنامہ ہمدم، دہلی ۱۹۲۷ء

۵۵۔ فتاویٰ مظہری، مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی، کراچی ۱۹۷۰ء

۵۶۔ علماء حق، مولفہ محمد میاں مرادآباد، ۱۹۴۶ء

۵۷۔ خادم التعلیم، مولفہ مولانا محمد سلیمان اشرف بہاری، ۱۹۱۹ء

۵۸۔ اخبار ''منادی'' دہلی، ۱۹۲۹ء

۵۹۔ اخبار جنگ ''مضمون سردار علی صابری''، کراچی ۱۹۷۳ء

۶۰۔ اخبار ''الجمعیۃ'' دہلی، ۱۹۵۸ء

۶۱۔ اخبار اتفاق دہلی، ۱۹۲۰ء

۶۲۔ ہفت روزہ ''الہام'' بہاولپور، ۱۹۷۷ء

۶۳۔ تحقیقات قادریہ، مولفہ محمد جمیل الرحمٰن، بریلی ۱۹۲۰ء

۶۴۔ مجلہ فکر ونظر، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء

۶۵۔ ماہنامہ جامعہ دہلی، ۱۹۳۹ء

۶۶۔ ہفت روزہ اخبار جہاں، کراچی بحوالہ کنز الایمان، لاہور مطبوعہ ۱۹۸۳ء

۶۷۔ تحریک اکابر پاکستان، محمد صادق قصوری لاہور ۱۳۹۶ھ، ۱۹۷۶ء

۶۸۔ مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، پروفیسر اشتیاق طالب لاہور، ۱۹۹۰ء

۶۹۔ دستور اساس جمعیت عالیہ اسلامیہ مرکزیہ، شائع کردہ مراد آباد ۱۳۶۴ھ

۷۰۔ ماہنامہ اشرفی کچھوچھہ، فیض آباد، (شوال ۱۹۲۵ء) علامہ سید اشرفی الجیلانی کچھوچھوی۔

پاکستان میں صدر الافاضل کی یاد میں

قائم بعض تعلیمی وصحافتی ادارے

- مدرسہ بحر العلوم مخزن عربیہ، آرام باغ کراچی ...... بانی مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ
- جامعہ نعیمیہ لاہور ...... بانی مولانا مفتی محمد حسین نعیمی علیہ الرحمۃ
- ماہنامہ ''عرفات'' لاہور
- دار العلوم نعیمیہ کراچی ...... بانی مولانا مفتی ڈاکٹر سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ
- ماہنامہ ''النعیم'' کراچی
- جامعہ مجددیہ نعیمیہ، ملیر کراچی ...... بانی مفتی عبداللہ نعیمی علیہ الرحمۃ
- مدرسہ غوثیہ گجرات ...... مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ
- دار العلوم محمدیہ بھیرہ ...... بانی پیر محمد کرم شاہ ازہری نعیمی علیہ الرحمۃ
- دار العلوم نعیمیہ للبنات لاہور

مدرسہ مخزن عربیہ بحر العلوم، آرام باغ کراچی:

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کی یاد میں ''مدرسہ مخزن عربیہ بحر العلوم'' آرام باغ کراچی آپ کے خلیفہ تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ نے قائم کیا تھا۔

جامعہ نعیمیہ لاہور:

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کے نام سے

منسوب اہلسنّت و جماعت کی مرکزی دینی درس گاہ ''جامعہ نعیمیہ'' لاہور کے بانی مولانا مفتی محمد حسین نعیمی علیہ الرحمۃ ہیں۔ آغازِ تدریس میں آپ کے ساتھ مولانا محمد عالم سیالکوٹی، مولانا عبدالغفور اور مولانا عبدالحئی نے معاونت کی۔

ماہنامہ ''عرفات'' لاہور:

دین اسلام اور علم دین کی اشاعت وفروغ کے لئے مولانا مفتی محمد حسین نعیمی علیہ الرحمۃ نے دینی رسالہ ماہنامہ ''عرفات'' بھی جاری کیا، جس کی ادارت آپ کے فرزند ارجمند علامہ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کر رہے ہیں، یہ رسالہ علمی اور تحقیقی مضامین کے ساتھ باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔

۞ دارالعلوم نعیمیہ کراچی:

دارالعلوم نعیمیہ بلاک 15 فیڈرل بی ایریا کراچی حضرت صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کے نام سے منسوب اہلسنّت و جماعت کی مرکزی دینی درس گاہ ہے جو تقریباً 10 ہزار مربع گز پر مشتمل ہے اور مزید زیر تعمیر وتکمیل کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ دارالعلوم کا قیام 1972ء میں عمل آیا۔ دارالعلوم نعیمیہ کی موجودہ عمارت کا سنگ بنیاد 30 نومبر 1975 / 25 ذوالقعدہ 1395ھ کو غزالی زماں رازی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی علیہ الرحمۃ نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ دارالعلوم نعیمیہ کے بانیان میں حضرت علامہ مفتی ڈاکٹر سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ کا نام سرفہرست ہے۔

دارالعلوم نعیمیہ کی شاندار عمارت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ دارالعلوم میں اقامتی طلباء کیلئے اقامت کے جملہ انتظامات موجود ہیں۔ نیز دارالعلوم میں 20 کمپیوٹر

پر مشتمل کمپیوٹر لیب اور لائبریری بھی موجود ہے، جس میں ہزاروں کی تعداد میں کتب موجود ہیں۔اس کے علاوہ دارالعلوم میں ''مسجد نعیمی'' بھی قائم ہے، جس میں بیک وقت ہزاروں افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔

دارالعلوم نعیمیہ تنظیم المدارس (اہلسنّت) پاکستان کا اساسی رکن اوراس سے ملحق ادارہ ہے۔تنظیم المدارس کا پاکستان کا منظورہ شدہ نصاب جو دینی وعصری علوم کا جامع ہے، اس ادارے میں نافذ العمل ہے اوراس کی اعلیٰ سطحی ڈگری حکومتِ پاکستان سے ایم۔اے عربی واسلامیات کے مساوی منظور شدہ ہے۔دارالعلوم نعیمیہ آج اپنی قومی وبین الاقوامی دینی خدمات کی وجہ سے منفرد وممتاز ہے اور یہ ادارہ پاکستان کے چند ممتاز اور مایہ ناز دینی مدارس میں سے ایک ہے۔اس ادارے سے فارغ التحصیل علماء، قراء اور حفاظ اندرونِ ملک اور بیرون ملک میں قابل قدر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

''ماہنامہ النعیم'' کراچی:

دارالعلوم نعیمیہ سے ایک عظیم الشان علمی، فقہی اور تحقیقی مجلّہ ماہنامہ ''النعیم'' بھی نکلتا ہے، جس میں ملک بھر کے مستند علماء کرام اوراہل علم وفکر کے تحقیقی مقالات اور علمی وفکری تحریروں کو شائع کیا جاتا ہے۔مجلّہ کی ادارت مولانا نصیر اللہ نقشبندی اور مولانا محمد ناصر خان چشتی (فاضل دارالعلوم نعیمیہ) کے ہاتھوں میں ہے۔

جامعہ مجددیہ نعیمیہ، ملیر کراچی:

مولانا صدرالافاضل کے نام سے منسوب ایک اور مدرسہ ''جامعہ مجددیہ نعیمیہ'' ملیر کراچی میں واقع ہے، جس کی بنیاد مفتی عبداللہ نعیمی علیہ الرحمۃ نے صاحبداد

گوٹھ ملیر میں ۱۹۵۵ء میں مدرسہ تعلیم القرآن کے نام سے رکھی اور بعد میں اس کو دو عظیم ہستیوں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہما الرحمۃ کے نام سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام ''جامعہ مجددیہ نعیمیہ'' رکھا۔ اس دارالعلوم کی جدید تعمیر ۱۹۶۱ء میں ہوئی تھی اور مفتی صاحب نے اس دارالعلوم کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کی تھی۔

جامعہ غوثیہ نعیمیہ، گجرات:

''جامعہ غوثیہ نعیمیہ'' کا دینی تعلیمی ادارہ حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ حضرت صدر الافاضل کی یاد میں شہر گجرات میں قائم کیا۔ اور اسی ادارے کے تحت آپ نے بے شمار دینی و سیاسی تدریسی تصنیفی خدمات انجام دیے اب آپ کے صاحب زادگان کی اولاد میں سے کوئی صاحب دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

- دارالعلوم محمدیہ بھیرہ...... بانی پیر محمد کرم شاہ ازہری نعیمی علیہ الرحمۃ
- دارالعلوم نعیمیہ للبنات لاہور

خلاصہ بحث

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی کے ایک جلیل القدر خلیفہ اور دسویں صدی کے بے مثال عالم بے بدل، فاضل اعظم، فقیہ، محدث، مفسر اور ماہر سیاست دان تھے، مذہب اور سیاست پر ان کی گہری نظر تھی۔

پنجاب یونیورسٹی لاہور سے شائع ہونے والی تاریخ ادبیات مسلمانانِ

پاکستان و ہندج ۱/ ۴۲۳ میں پروفیسر عبدالقیوم نے بجا طور پر آپ کے لیے یہ جملے تحریر کیے ہیں:

''آپ نہایت ہی صائب الرائے، مدبر و مفکر تھے، ملکی و غیر ملکی حالات و واقعات پر پوری طرح نظر رکھتے تھے۔ اہلسنّت و جماعت کے مختلف طبقات میں اتحاد پیدا کر کے ایک دوسرے کے قریب لانے میں آپ کو بڑا کمال حاصل تھا، ۱۹۴۶ء میں بمقام بنارس آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے غیر منقسم ہندوستان کے تقریباً پانچ صدر علماء و مشائخ جو متعدد سلاسل سے تعلق رکھتے تھے ایک مرکز پر جمع کر دینا ایک ماہر نباض کا ہی کام تھا جو آپ نے کر دکھایا اور دارالعلوم منظر الاسلام بریلی سے فیض یافتہ علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت (رضی اللہ عنہ) کے خلفاء میں آپ کو ایک عظیم مقام حاصل تھا''۔

پاکستان کے قیام کی جدوجہد:

برصغیر پاک و ہند میں اسلامی مملکت کے قیام کے لیے جتنی بھی تحریکات چلیں ان سب کا مقصود مدعا اسلامی معاشرہ کا قیام ہی تھا۔ اس سلسلے میں معروف محققین ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی فرماتے ہیں:

''تحریک ترکِ موالات کے بعد بریلی مکتب فکر کی قیادت مولانا نعیم الدین مرادآبادی (امام احمد رضا کے تلمیذ و خلیفہ) کے ہاتھ میں آ گئی تھی انہوں نے اپنے جماعت کے کام کو وسیع کیا ان کی ہر شاخ پاکستان کے قیام کی جدوجہد میں مصروف ہو گئی''۔

تحریک پاکستان میں نمایاں کردار:

یہ امام احمد رضا خاں کی کوشش اور اپنے عہد میں تمام اکابرین سے نمایاں کردار تھا جو مسلمانوں کی الگ سیاسی قوت ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے قیام کے سبب بنی۔ اس کانفرنس کی اہمیت کے متعلق موصوف پروفیسر محمد اسلم لکھتے ہیں:

> ''راقم دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہے اس کے باوجود یہ عرض کرتا ہوں کہ ان مشائخ اور علماء کا عوام پر بڑا اثر تھا۔ خود لاہور میں تحریک پاکستان کے لیے بریلوی مکتب فکر کے علماء میں سے مولانا محمد بخش مسلم اور مولانا غلام الدین اشرفی نے جو کام کیا وہ محتاجِ تعارف نہیں''۔

برصغیر کے طول وعرض میں بریلوی مکتب فکر کے علماء نے تحریکِ پاکستان کیلئے جو سرتوڑ کوشش کی اس کا آغام بریلی سے ہوا تھا۔ اس لحاظ سے امام احمد رضا خاں کو "The Most Prominent Poineer of Freeom Movement". کا مقام حاصل ہے۔ آپ نے بریلی سے ہندوؤں اور انگریزوں کی تہذیبی آمیزش سے پاک، خالص اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے اپنوں بیگانوں کی پرواہ کیے بغیر دو قومی نظریہ کا احیاء کیا۔ مسلمانوں کو الگ تنظیم سازی پر مائل کیا۔ ہندوستان کو ''دارالحرب'' کے بجائے ''دارالسلام'' قرار دے کر ہجرت کرنے کے بجائے اسی خطہ پر اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے قلمی جہاد کے علاوہ علی کوششیں بھی کیں۔ بالآخر اسلامی مملکت کے قیام کی مسرت نصیب ہوئی۔

جہاں ایک طرف امام احمد رضا نے مشرکین سے اتحاد توڑنے اور مرتدین کا ساتھ چھوڑنے کا حکم دیا وہاں ساتھ ہی امام احمد رضا نے مسلمانوں کے اپنے

معاشرے میں پھیلے ہوئے منکرات وبدعات کی زبردست مخالفت کی اور برائیوں سے پاک کرنے کی مسلسل سعی کی۔ اسلامی معاشرے کی اصلاح کا جو تصور آپ کے ہاں ملتا ہے وہ آپ کے کسی اور ہم عصر مصلح کے ہاں نہیں ملتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک خوبصورت بات ڈاکٹر شمس الدین (چیئرمین ڈپارٹمنٹ آف ماس کمیونیکیشن)۱۹۹ء میں مجلّہ ''امام احمد رضا کانفرنس'' کے نام اپنے ایک پیغام میں لکھتے ہیں:

''آپ نے اسلامی معاشرہ کی برائیوں اور غیر اسلامی رسم ورواج سے پاک کرنے کی جو سعی پیہم کی اور اپنی تحریروں کو دوقومی نظریہ اور مسلم نشاۃ ثانیہ کے لیے استعمال کیا آپ کو بجا طور پر اس صدی کا سب سے بڑا سماج سدھارک اور مجتہد قرار دیا جاسکتا ہے''۔

الغرض حضرت صدرالافاضل استاذ العلماء علامہ سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی قادری اشرفی رضوی علیہ الرحمہ کی زندگی مذہب اور ملک وملت کی خدمات میں گزرگئی اور اس شعر کا مصداق بن گئی۔

شمع کی طرح جئیں بزمِ گہہِ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

حماد احمد جاوید فاروقی پبلشرز

دربار مارکیٹ لاہور 0342-4584608